جلد ۷۸　　　　　　　　　　اکتوبر ۱۹۹۴ء　　　　　　　　　　شمارہ ۔ ۳

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ : ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ، کولمبس، اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

"یہ مت خیال کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے اور روح القدس اتر نہیں سکتا بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر روح القدس کے اترنے کا کبھی دروازہ بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو تا وہ ان میں داخل ہو تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو جبکہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو۔ اے نادان اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائیگا جب کہ خدا نے دنیا کے فیضوں کی راہیں اس زمانہ میں تم پر بند نہیں کیں بلکہ زیادہ کیں تو کیا تمہارا ظن ہے کہ آسمان کے فیوض کی راہیں جن کی اسوقت تمہیں بہت ضرورت تھی وہ تم پر اس نے بند کر دی ہیں ہرگز نہیں بلکہ بہت صفائی سے وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔ اب جبکہ خدا نے اپنی تعلیم کے موافق جو سورہ فاتحہ میں سکھلائی گئی گذشتہ تمام نعمتوں کا تم پر دروازہ کھول دیا ہے تب تم کیوں ان کے لینے سے انکار کرتے ہو۔ اس چشمہ کے پیاسے بنو کہ پانی خود بخود آ جائے گا۔ اس دودھ کیلئے تم بچہ کی طرح رونا شروع کرو کہ دودھ پستان سے خود بخود اتر آئیگا۔ رحم کے لائق بنو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اضطراب دکھلاؤ تا تسلی پاؤ بار بار چلاؤ تا ایک ہاتھ تمہیں پکڑ لے۔ کیا ہی دشوار گذار وہ راہ ہے جو خدا کی راہ ہے پر ان کیلئے آسان کی جاتی ہے جو مرنے کی نیت سے اس اتھاہ گڑھے میں پڑتے ہیں وہ اپنے دلوں میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہمیں آگ منظور ہے ہم اس میں اپنے محبوب کے لئے جلیں گے پھر وہ آگ میں اپنے تئیں ڈال دیتے ہیں پس کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بہشت ہے۔ یہی ہے جو خدا نے فرمایا وان منکم الا وارد ھا کان علی ربک حتما مقضیا الخ یعنی اے برو اور اے نیکو! تم میں سے کوئی بھی نہیں جو جہنم کی آگ پر گذر نہ کرے مگر وہ جو خدا کے لئے اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور بدبخت وہ جو اپنے نفس کیلئے خدا سے جنگ کر رہے ہیں اور اس سے موافقت نہیں کرتے۔ جو شخص اپنے نفس کے لئے خدا کے حکم کو ٹالتا ہے وہ آسمان میں ہرگز داخل نہیں ہو گا۔ سو تم کوشش کرو جو ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا بھی تم پر گواہی نہ دے تا تم اسی کیلئے پکڑے نہ جاؤ کیونکہ ایک ذرہ بدی کا بھی قابل پاداش ہے۔ وقت تھوڑا ہے اور کار عمر ناپیدا۔ تیز قدم اٹھاؤ جو شام نزدیک ہے جو کچھ پیش کرنا ہے وہ بار بار دیکھ لو ایسا نہ ہو کہ کچھ رہ جائے اور زیان کاری کا موجب ہو یا سب گندی اور کھوٹی متاع ہو جو شاہی دربار میں پیش کرنے کے لائق نہ ہو"۔ (کشتی نوح، ص ص ۲۲،۲۳)

"دوسرا ذریعہ ہدایت کا جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے سنت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی کارروائیاں جو آپ نے قرآن شریف کے احکام کی تشریح کیلئے کر کے دکھلائیں۔ مثلاً قرآن شریف میں بظاہر نظر پنجگانہ نمازوں کے رکعات معلوم نہیں ہوتیں کہ صبح کس قدر اور دوسرے وقتوں میں کس کس تعداد پر۔ لیکن سنت نے سب کچھ کھول دیا ہے۔ یہ دھوکہ نہ لگے کہ سنت اور حدیث ایک چیز ہے کیونکہ حدیث تو سو ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئی مگر سنت کا قرآن شریف کے ساتھ ہی وجود تھا۔ مسلمانوں پر قرآن شریف کے بعد بڑا احسان سنت کا ہے خدا اور رسولؐ کی ذمہ داری کا فرض صرف دو امر تھے اور وہ یہ کہ خدا نے قرآن کو نازل کر کے مخلوقات کو بذریعہ اپنے قول کے اپنے منشاء سے اطلاع دے یہ تو خدا کے قانون کا فرض تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرض تھا کہ خدا کی کلام کو عملی طور پر دکھلا کر بخوبی لوگوں کو سمجھا دیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گفتنی باتیں کردنی کے پیرایہ میں دکھلا دیں اور اپنی سنت یعنی عملی کارروائی سے معضلات اور مشکلات مسائل کو حل کر دیا۔ یہ کہنا بے جا ہے کہ یہ حل کرنا حدیث پر موقوف تھا کیونکہ حدیث کے وجود سے پہلے اسلام زمین پر قائم ہو چکا تھا۔ کیا جب

تک حدیثیں جمع نہ ہوئی تھیں لوگ نماز نہ پڑھتے تھے یا زکوۃ نہ دیتے تھے یا حج نہ کرتے تھے یا حلال و حرام سے واقف نہ تھے۔

ہاں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے کیونکہ بہت سے اسلام کے تاریخی اور اخلاقی اور فقہ کے امور کو حدیثیں کھولکر بیان کرتی ہیں اور نیز بڑا فائدہ حدیث کا یہ ہے کہ وہ قرآن کی خادم اور سنت کی خادم ہے جن لوگوں کو ادب قرآن نہیں دیا گیا وہ اس موقعہ پر حدیث کو قاضی قرآن کہتے ہیں جیسا کہ یہودیوں نے اپنی حدیثوں کی نسبت کہا۔ مگر ہم حدیث کو خادم قرآن اور خادم سنت قرار دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آقا کی شوکت خادموں کے ہونے سے بڑھتی ہے۔ قرآن خدا کا قول ہے اور سنت رسول اللہ کا فعل اور حدیث سنت کیلئے ایک تائیدی گواہ ہے۔ نعوذ باللہ یہ کہنا غلط ہے کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے اگر قرآن پر کوئی قاضی ہے تو وہ خود قرآن ہے۔ حدیث جو ایک ظنی مرتبہ پر ہے قرآن کی ہرگز قاضی نہیں ہو سکتی صرف ثبوت موید کے رنگ میں ہے۔ قرآن اور سنت نے اصل کام سب کر دکھایا ہے اور حدیث صرف تائیدی گواہ ہے حدیث قرآن پر کیسی قاضی ہو سکتی ہے۔ قرآن اور سنت اس زمانہ میں ہدایت کر رہے تھے جبکہ اس مصنوعی قاضی کا نام و نشان نہ تھا۔ یہ مت کہو کہ حدیث قرآن پر قاضی ہے بلکہ یہ کہو کہ حدیث قرآن اور سنت کیلئے تائیدی گواہ ہے۔

البتہ سنت ایک ایسی چیز ہے جو قرآن کا منشاء ظاہر کرتی ہے اور سنت سے وہ راہ مراد ہے جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر صحابہ کو ڈال دیا تھا۔ سنت ان باتوں کا نام نہیں جو سو ڈیڑھ سو برس بعد کتابوں میں لکھی گئیں بلکہ ان باتوں کا نام حدیث ہے اور سنت اس عملی نمونہ کا نام ہے جو نیک مسلمانوں کی عملی حالت میں ابتدا سے چلا آتا ہے جس پر ہزارہا مسلمانوں کو لگایا گیا۔ ہاں حدیث بھی اگرچہ اکثر حصہ اسکا ظن کے مرتبہ پر ہے مگر بشرط عدم تعارض قرآن و سنت تمسک کے لائق ہے اور موید قرآن و سنت ہے اور بہت سے اسلامی مسائل کا ذخیرہ اس کے اندر موجود ہے

پس حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا کاٹ دینا ہے ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو قرآن اور سنت کے نقیض ہو اور نیز ایسی حدیث کی نقیض ہو جو قرآن کے مطابق ہے یا مثلاً ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کے مخالف ہے تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اسکے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے اور میں جانتا ہوں کہ کوئی پرہیز گار اس پر جرات نہیں کریگا کہ ایسی حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن اور سنت کے برخلاف اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہے جو قرآن کے مطابق ہیں۔ بہرحال احادیث کی قدر کرو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہیں اور جب تک قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی انکی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیئے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کار بند ہو کہ کوئی حرکت نہ کرو اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل کرو اور نہ ترک فعل مگر اسکی تائید میں تمہارے پاس کوئی حدیث ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن شریف کے بیان کردہ قصص سے صریح مخالف ہے تو اسکی تطبیق کے لئے فکر کرو شاید وہ تعارض تمہاری ہی غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تعارض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے اور اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اس کا مصدق ہے۔"

"اے خدا کے طالب بندو! کان کھولو اور سنو کہ یقین جیسی کوئی چیز نہیں یقین ہی ہے جو گناہ سے چھوڑاتا ہے۔ یقین ہی ہے جو نیکی کرنے کی قوت دیتا ہے یقین ہی ہے جو خدا کا عاشق صادق بناتا ہے کیا تم گناہ کو بغیر یقین کے چھوڑ سکتے ہو۔ کیا تم جذبات نفس سے بغیر یقینی تجلی کے رک سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی تسلی پا سکتے ہو۔ کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی تبدیلی پیدا کر سکتے ہو کیا تم بغیر یقین کے کوئی سچی خوشحالی حاصل کر سکتے ہو۔ کیا آسمان کے نیچے کوئی ایسا کفارہ اور ایسا فدیہ ہے جو تم سے گناہ ترک کرا سکے۔ (کشتی نوح، ص ص ۵۶،۵۷)

ختم نبوت اور بانی سلسلہ احمدیہ ۔ ۲

مولانا حافظ شیر محمد خوشابی

دعوی نبوت سے انکار

۱۔ "میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں اور جیسا کہ اہل سنت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن اور حدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں" (مجموعہ اشتہارات، جلد اول، ص ۲۳۰)

۲۔ "دوسرے الزامات جو میرے پر لگائے جاتے ہیں کہ یہ شخص ۔۔۔ نبوت کا مدعی اور ختم نبوت سے انکاری ہے یہ سارے الزامات باطل اور دروغ محض ہیں۔ ان تمام امور میں میرا وہی مذہب ہے جو دیگر اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے ۔۔۔ اب میں ۔۔۔ مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار اس خانہ خدا مسجد میں کرتا ہوں کہ میں جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں" (مجموعہ اشتہارات، جلد اول ص ۲۵۵)

۳۔ "میرا نبوت کا کوئی دعوی نہیں یہ آپکی غلطی ہے یا آپ کسی خیال سے کہہ رہے ہیں کیا یہ ضروری ہے کہ جو الہام کا دعوی کرتا ہے وہ نبی بھی ہو جائے" (جنگ مقدس، ص ۶۷)

۴۔ "محمدؐ حسین کا یہ سراسر افترا ہے کہ ہماری طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں کہ گویا ہمیں معجزات انبیاء علیھم السلام سے انکار ہے یا ہم خود دعوی نبوت کرتے ہیں یا نعوذ باللہ حضرت سید المرسلین محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء نہیں سمجھتے ۔۔۔ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ گواہ ہے کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں اور ان عقائد اور ان اعمال کے منکروں کو ملعون اور خسر الدنیا والآخرہ یقین رکھتے ہیں" (مجموعہ اشتہارات، جلد دوم ص ۲۵۷)

۵۔ "کیا ایسا بد بخت مفتری جو خود رسالت اور نبوت کا دعویٰ کرتا ہے قرآن شریف پر ایمان رکھ سکتا ہے اور کیا ایسا وہ شخص جو قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہے اور آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبین کو خدا کا کلام یقین رکھتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول اور نبی ہوں" (انجام آتھم، حاشیہ ص ۲۷)

۶۔ "ہم بھی نبوت کے مدعی پر لعنت بھیجتے ہیں" (مجموعہ اشتہارات جلد دوم ص ۲۹۷)

۷۔ "افترا کے طور پر ہم پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے نبوت کا دعوی کیا ہے ۔۔۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے سید و مولی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور ہم فرشتوں اور معجزات اور تمام عقائد اہل سنت کے قائل ہیں" (کتاب البریہ، حاشیہ ص ۱۵۲)

۸۔ "جاہل مخالف میری نسبت الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا رسول ہونے کا دعوی کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعوی نہیں" (ایک غلطی کا ازالہ)

۹۔ "اس عاجز نے ان موجودہ علماء کے مقابل پر ۔۔۔ کئی مرتبہ خدا تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہا کہ میں کسی نبوت کا مدعی نہیں مگر پھر بھی یہ لوگ تکفیر سے باز نہیں آتے" (مکتوب بنام مولوی احمد اللہ امرتسری الحکم ۲۷ جنوری ۱۸۹۴ء)۔

۱۰۔ "اور پھر ایک اور نادانی یہ ہے کہ جاہل لوگوں کو بھڑکانے کیلئے کہتے ہیں کہ اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ یہ ان کا سراسر افترا ہے" (حقیقۃ الوحی، ص ۳۹۰)۔

ایسی واضح اور کھلی تحریرات کے ہوتے ہوئے بھی جو ۱۸۹۱ء سے ۱۹۰۸ء تک پھیلی ہوئی ہیں اگر کوئی یہ کہتا چلا جائے کہ حضرت مرزا صاحب نے ختم نبوت کے معنی بدل دیئے ہیں یا خود نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اس کا کیا کیا جائے۔ ہاں اب سوال صرف یہ ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب فی الواقع مدعی نبوت نہیں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی آخری نبی مانتے تھے تو آپ نے اپنی تحریرات میں ظلی، بروزی، امتی اور نبی، اور مجازی نبی وغیرہ کے الفاظ کیوں استعمال کئے۔ اگر اس قسم کے الفاظ اپنے متعلق نہ لکھتے تو آپکے خلاف کسی قسم کی کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب چونکہ تمام دنیا کی اصلاح کیلئے مجدد ہو کر آئے تھے اور آپ کے مخاطب تمام مذاہب کے ماننے والے اور دنیا کی تمام اقوام تھیں۔ جس طرح آپ نے دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو سمجھانے کیلئے انہی کی وضع کردہ اصطلاحات بیان کیں بعینہ اسی طرح آپ نے مسلمانوں کے تمام فرقوں کی بیان کردہ اصطلاحات بھی ان کے سمجھانے کیلئے تحریر کیں۔ جیسے حضرت اقدس نے اہل شریعت کو خطاب کیا ویسے ہی آپ نے اہل طریقت کو بھی انہی کی وضع کردہ اصطلاحات میں سمجھایا۔ مثلاً فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ وغیرہ اس کے علاوہ بے شمار اور بھی اصطلاحات ہیں جو آپ نے اپنے لئے لکھی ہیں۔ آخر یہ کیوں لکھیں۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو محل اعتراض ٹھہرایا۔ ایک ظاہر بین کیلئے تو ان اصطلاحات کی کوئی قدر و قیمت نہیں ان کے نزدیک تو دوسرے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام بھی ایسی باتیں نہ لکھتے تو بہتر تھا لیکن یہی اصطلاحات اہل باطن اور متصوفین کی تو جان ہیں آپ نے انہی صوفیاء اور اہل طریقت کیلئے انہی کی زبان میں معرفت اور گیان کی باتیں کیں تاکہ وہ بھی ان اسرار و رموز سے ناآشنا نہ رہیں جو آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے گئے تھے اور وہ بھی آپکی معیت میں رہ کر سلک کی منازل طے کر سکیں کیونکہ جیسے آپ شریعت کے مجدد تھے ویسے ہی طریقت کے بھی مجدد تھے۔ اس لئے متصوفین کی رہنمائی اور اصلاح کے لئے حضرت مرزا صاحب نے انہی کی وضع کردہ اصطلاحات میں ان کو تعلیم دی۔ تو حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں یہ جو ظل اور بروز، حقیقت اور مجاز، تشریعی، امتی اور براہ راست نبی وغیرہ کی اصطلاحات پائی جاتی ہیں وہ صرف متصوفین اور اہل طریقت کی روحانی پیاس کو بجھانے کیلئے ہے تاکہ آپ کے علم کلام سے یہ پاک طائفہ بھی محروم نہ رہے اور ان کو بھی عرفان حاصل ہو جائے۔ یہ اصطلاحات کوئی غیر اسلامی نہیں بلکہ وہی اصطلاحات جو قرآن مجید اور احادیث نبوی میں خلافت، ولایت، امامت، محدثیت، شیخ اور علما امتی کانبیاء نبی اسرائیل کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں انہی اصطلاحات کو اپنے لئے استعمال کرنیوالا نبی اور رسول نہیں بن جاتا بلکہ زمرہ اولیاء کا ہی فرد رہتا ہے اور یہی حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

قارئین کرام حضرت مرزا صاحب کی بیان کردہ اصطلاحات کو اگر سمجھنا چاہیں تو سب سے پہلے حضرت مرزا صاحب کے اس ماحول کو دیکھیں جس میں یہ اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ اگر کوئی خدا ترس اور منصف مزاج انسان ان اصطلاحات کو اس ماحول کے اندر رکھ کر پڑھے گا تو وہ حضرت مرزا صاحب کی طرف کبھی بھی نبوت کا دعویٰ منسوب نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس ماحول میں بے شمار بزرگان دین اور صوفیاء کرام ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے لئے انہی معنوں میں نبی اور رسول کے الفاظ لکھے ہیں جن معنوں میں حضرت مرزا صاحب نے لکھے ہیں۔ ان معنوں میں نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرنے والا زمرہ انبیاء میں شمار نہیں ہوتا بلکہ زمرہ اولیاء کا ہی فرد رہتا ہے۔ اسی واسطے براہین احمدیہ میں ایسے الہام ہونے کے باوجود بڑے بڑے علماء نے اسکی تعریف کی۔ اگر امت محمدیہ میں ان لغوی اور مجازی معنوں میں بھی نبی اور رسول کے الفاظ استعمال کرنے ناجائز ہوتے تو ہندوستان کے جید علماء اس کتاب کی تعریف کیوں کرتے اگر کسی ایک آدھ آدمی نے ان الفاظ پر اعتراض کیا بھی تو ہندوستان کے بہت بڑے عالم مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انہیں ایسا علمی جواب دیا کہ وہ خاموش ہو گئے۔ آخر میں ہم فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں کہ وہ مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر خدا لگتی بات کہیں کہ حضرت مرزا صاحب کی طرف دعویٰ

نبوت منسوب کرنا کہاں تک صحیح ہے۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں:

"لوگوں نے میری بات کو نہ سمجھا اور کہہ دیا کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور اللہ جانتا ہے کہ ان کا یہ قول محض جھوٹ ہے اور اسمیں سچائی کا شائبہ تک نہیں اور اسکی اصلاً کوئی حقیقت نہیں اور انہوں نے اس بہتان کو محض اس لئے تراشا ہے کہ تاکہ وہ لوگوں کو مجھے کافر قرار دینے. گالیاں دینے اور لعن طعن کرنے پر جوش دلائیں اور انہیں میری دشمنی پر اکسائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پیدا کریں اور اللہ کی قسم! میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور میں اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ آپ خاتم النبین ہیں" (حمامۃ البشریٰ، ص ۸۱)

(ختم شد)

تقدیر و تدبیر

"تقدیر و تدبیر بمنزلہ روح و جسم کے ہیں۔ روح بغیر جسم کے کچھ کام نہیں کر سکتی اور جسم بغیر روح کے صرف مٹی کی مورت ہے مگر جب دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو دونوں قوی اور کام کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یہی حال تقدیر و تدبیر کا بھی ہے اگر تقدیر کے ساتھ تدبیر نہ ہو تو نتیجہ حسب خواہش نہیں نکلے گا اور اگر تدبیر بغیر تقدیر کے کی جائے تو وہ پوری نہ ہو گی مگر یک جا ہونے سے دونوں قوی ہو جاتی ہیں اور مقصد پورا ہوتا ہے۔

(یاد رکھو) تقدیر وہ ہے جو لازمی طور پر ہو کر رہے اور عمل و تدبیر ہونے والی شے کی علت ہے پس جب تقدیر نے یاوری کی اس شے کا ہونا یقینی ہو گیا اور اس کا وجود ظاہر ہوا۔

نیکی کا معیار

سب سے زیادہ عادل وہ ہے جو دوسروں کے حق میں اپنے نفس کے لحاظ سے انصاف کرے۔ سب سے زیادہ ظالم وہ ہے جو اپنے ظلم کو انصاف اور اہل ہدایت کے انصاف کو ظلم جانے۔ سب سے زیادہ ہوشیار وہ ہے جو آخرت کے لئے دنیا میں سامان جمع کر رکھے اور سب سے زیادہ بیوقوف وہ ہے جس کا مقصود دنیا اور جس کا عمل گناہ ہو اور سب سے زیادہ نیک بخت وہ ہے جس کا خاتمہ بخیر ہو اور جو شخص دوسروں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر دوسرے بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو وہ ہلاک ہو جائے اس شخص کا برتاؤ اور طریقہ شیطانی ہے۔ اور جو شخص لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آئے کہ اگر وہ بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں تو اس کی حالت سنور جائے تو اس شخص کا طریقہ رحمانی ہے۔ تجھ کو یہ بھی لازم ہے کہ اچھی بات کو گو وہ بد کاروں میں ہو برا نہ سمجھے اور بری بات کو گو وہ نیکو کاروں میں ہو اچھا نہ جان اور رائیگاں جانے چیزوں میں سے اول وہ محنت ہے جو خدا کی نافرمانی میں اٹھائی جائے۔ دوسری وہ عبادت ہے جو بتوں اور مورتوں کی کی جائے۔ تیسرا وہ رائے ہے جو متکبر مغرور آدمی سے کہی جائے جس کو وہ قبول نہیں کرتا۔

بت پرست شہزادے کو نصیحت

اے شہزادے! تیری قوم نے گو اپنے بتوں کو اپنے ہی ہاتھ سے گھڑا ہے مگر یہ جھوٹا خیال رکھتی ہے کہ بت ہی اس کے پیدا کرنے والے ہیں ـــ اور گو خود ان کی نگہبانی اس ڈر سے کرتی ہے کہ کہیں وہ چوری نہ ہو جائیں لیکن زعم باطل یہ ہے کہ وہ اس کے محافظ ہیں ـــ علاوہ اس کے تیری قوم اپنی کمائی بھی ان پر خرچ کرتی ہے اور یہ لغو گمان کرتی ہے کہ وہی اسکے روزی دینے والے ہیں۔ پس یہ لوگ بتوں سے وہ چیز چاہتے ہیں جو مل نہیں سکتی اور ایسی باتوں کو سچ جانتے ہیں جو انہونی ہیں"۔

(مقام مسیح، ص ص ۸۴، ۸۵)

واقعہ صلیب کے پس منظر میں

پیلاطوس کا انجام ۔ ۲

پیلاطوس کو کیوں قتل کیا گیا؟

تمام مورخ متفق ہیں کہ پیلاطوس اپنی طبعی عمر تک نہیں پہنچ سکا بلکہ اسے موت کی سزا دے کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ چنانچہ "انسائیکلو پیڈیا ببلیکا" کا مسیحی مقالہ نگار لکھتا ہے:-

"قیصر طبریوس نے پیلاطوس کو روم طلب کیا اور حضرت مسیحؑ کی صلیب دہی کے سلسلے میں اس سے باز پرس کی اور پھر اسے سزائے موت دیدی۔"

یہاں بجا طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پیلاطوس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر دی تھی اور حضرت مسیحؑ کو صلیب پر چڑھا دیا تھا تو بادشاہ نے اسے موت کی سزا کیوں دی۔ حضرت مسیحؑ کے (Trial) مقدمے کی کارروائی پر اب تک قریباً اٹھارہ انیس کتابیں (انگریزی میں) شائع ہو چکی ہیں مگر کسی ایک مصنف نے اس موضوع پر حقیقت پسندانہ نقطۂ نگاہ اختیار نہیں کیا اور اصل حقائق پیش کرنے سے گریز کیا۔ اصل حقائق کیا تھے؟ وہ ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اصل حقائق یہ ہیں کہ شہنشاہ قیصر طبریوس سے یہودیوں نے شکایت کی تھی کہ پیلاطوس نے (قانونی تقاضے پورے کئے بغیر) مسیحؑ کو (شدید بیہوشی کی حالت میں) صلیب سے اتروالیا اور بھیس بدلوا کر یروشلم سے فرار کرا دیا۔ جب قیصر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو وہ نہایت برہم ہوا کیونکہ وہ حضرت مسیحؑ کو اپنا اور اپنی حکومت کا باغی سمجھتا تھا اس نے پیلاطوس کو روم طلب کیا اور اس جرم میں اسے قتل کرا دیا کہ اس نے مسیحؑ کو جو قیصر کا باغی تھا صلیب پر ہلاک ہونے سے کیوں بچایا اور کیوں یروشلم سے فرار کرایا۔ یہ حقائق چونکہ چرچ (کلیسا) کے خود تراشیدہ عقائد کے خلاف جا رہے تھے اس لئے اس نے ان پر پردہ ڈال دیا اور انہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ لیکن ایک صاحب بصیرت شخص اگر ان روایات کا باریک بینی سے جائزہ لے تو ان کے بین السطور اصل حقائق صاف نظر آ جاتے ہیں۔ آیئے ان حقائق کا جائزہ لیں۔

پیلاطوس کے قتل کا واقعہ چونکہ ایک ایسی حقیقت تھی جس پر پردہ ڈالنا چرچ کے لئے ممکن نہ تھا اس لئے ہر مسیحی مصنف کو یہ واقعہ اپنی کتاب میں درج کرنا پڑا البتہ بعض مورخوں نے اسے قتل کی بجائے خود کشی بنا دیا مگر بیشتر مورخوں نے اسے سزائے موت اور قتل ہی قرار دیا البتہ اس قتل کے اسباب بیان کرتے ہوئے انہوں نے بہت ہوشیاری سے کام لیا اور جس طرح ایک چالاک مجرم ارتکاب جرم کرنے کے بعد جرم کے نشانات مٹا دیتا ہے تاکہ وہ پکڑا نہ جا سکے بالکل اسی طرح ان مورخوں نے بھی یا تو سرے سے اس قتل کے اسباب بیان ہی نہیں کئے یا اگر بیان کئے تو فرضی اور غلط۔ اصل سبب کو پردے کے پیچھے چھپا دیا۔ مثلاً کیلی فورنیا یونیورسٹی کے استاد اور قانون دان پروفیسر میکس راڈین (Prof.Max Radin) نے یہ لکھ کر اپنا دامن بچا لیا (یا واقعی اصل حقائق تک ان کی رسائی نہ ہو سکی) کہ:-

"پیلاطوس کو بعض الزامات کے تحت قیصر طبریوس کی وفات سے قبل روم طلب کیا گیا لیکن ہم پورے یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اس پر کیا

الزامات لگائے گئے تھے"۔

اسی طرح اور بہت سے مورخوں نے بھی پیلاطوس کو روم طلب کئے جانے اور وہاں اس پر مقدمہ چلا کر اسے قتل کر دینے کا واقعہ تو بیان کر دیا مگر ان الزامات کا ذکر نہیں کیا جن کے تحت پیلاطوس پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ بعض رومی مورخوں نے جو رومی کلیسا کے زیر اثر تھے حقائق کے برعکس یہ نظریہ پیش کیا کہ قیصر طبریوس نے پیلاطوس کو اس لئے قتل کرا دیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو بچانے میں ناکام ہو گیا تھا لیکن زیادہ محتاط مورخوں اور مصنفوں نے اس نظریے کو مسترد کر دیا کہ پیلاطوس کو اس لئے قتل کیا گیا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو صلیب پر ہلاک ہونے سے بچانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ ان مصنفوں اور مقالہ نگاروں میں "دی نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا" کا مسیحی مقالہ نگار بھی شامل ہے اس کی تحقیق کے مطابق :-

"پیلاطوس کے بعض اقدامات کی وجہ سے یہودی اس کے مخالف ہو گئے تھے ان میں سے ایک بڑا اقدام یہ تھا کہ پیلاطوس نے یروشلم کے طول و عرض میں رومی بادشاہ کی مورتیاں نصب کرائی تھیں۔ دوسرا اقدام یہ تھا کہ اس نے سکوں پر بادشاہ کی تصویر ڈھلوائی تھی اور سرکاری پرچموں پر اس کی تصویریں بنوائی تھیں۔ پیلاطوس کے ان اقدامات کو یہودی بت پرستی اور اپنے مذہب میں مداخلت قرار دیتے تھے۔ اس پر تیسرا الزام یہ تھا کہ اس نے بہت سے یہودیوں کو غیر قانونی طور پر موت کی سزا دی تھی۔ اس پر چوتھا الزام یہ تھا کہ اس نے حضرت مسیحؑ کے مقدمے کے دوران استقامت نہیں دکھائی اور ایسی قانونی سزا دی جو اس کی کمزوری پر دلالت کرتی تھی۔ ان الزامات کے تحت اسے روم طلب کر کے اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزائے موت دیدی گئی۔"

پیلاطوس کے خلاف الزامات کی حقیقت؟

گویا یہ مسیحی محقق پیلاطوس پر چار الزامات لگا رہا ہے بلکہ ان کا اعادہ کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ ان الزامات کی بنا پر اسے موت کی سزا دی گئی۔ آئیے دیکھیں کہ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے کیا یہ الزامات ایسے تھے بھی کہ ان کی بنا پر پیلاطوس کو موت کی سزا دی جاتی۔ ان الزامات کی رو سے :-

(۱) پیلا طوس نے سارے یروشلم میں بادشاہ کی مورتیاں نصب کروائیں۔

(۲) سکوں پر بادشاہ کی تصویر ڈھلوائی اور سرکاری پرچموں پر بھی اس کی تصویریں بنوائیں۔

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اقدام بھی ایسا نہ تھا جو بادشاہ کو پیلاطوس کے خلاف مشتعل کرتا بلکہ اس کے یہ اقدامات تو ثابت کرتے ہیں کہ وہ بادشاہ کا انتہائی وفادار بلکہ عقید تمند تھا۔ جن لوگوں نے روم کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ رومی بادشاہ حد درجہ خود پسند تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ مذہب کو بھی اپنی سیاست کے لئے استعمال کرتے تھے اس لئے انہوں نے خود کو روحانی لبادہ پہنایا تھا تاکہ عوام و خواص دونوں کی عقیدت کا مرکز بن سکیں۔ چنانچہ مورخ جے۔بی۔بیوری (J.B.Bury) لکھتا ہے کہ :-

"پہلی صدی عیسوی میں رومیوں نے بہت سے خدا بنا لئے تھے ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور بادشاہوں کو بھی ان خداؤں میں شامل کر لیا گیا تھا یہ زندہ اور مردہ دونوں قسم کے بادشاہ تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی۔"

یہی مورخ (جے۔بی۔بیوری) پھر لکھتا ہے کہ :-

قیصر جولیس کو دیوتا کا مرتبہ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا "آگسٹس" بادشاہ ہوا تو اسے اس کی زندگی ہی میں دیوتا کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اس کے نام پر مندر تعمیر کئے گئے اور ان میں پروہت متعین کئے

گئے۔ ان مندروں میں قیصر "آگسٹس ٹس" کی پرستش کی جاتی تھی۔"

ایک اور بڑے مورخ ایچ۔ ایف۔ پیلہم (H.F.Pelham) کا بیان ہے کہ :-

"قیصروں کو صاحب حکومت و اقتدار ہونے کی وجہ سے دیوتاؤں کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی اور ان کی باقاعدہ پرستش کی جاتی تھی۔ ان میں سے "طبریوس" سے لے کر "نیرو" تک جتنے قیصر تخت پر بیٹھے ان سب کو دیوتاؤں کی اولاد قرار دیا جاتا تھا۔"

تاریخ کہتی ہے کہ ان میں سے بعض بادشاہوں نے اپنے دیو قامت مجسمے بنوائے تھے اور لوگوں سے ان کی پرستش کراتے تھے۔ پس پیلاطوس نے اپنے بادشاہ (قیصر طبریوس) کی مورتیاں یروشلم میں نصب کروا کر اور سکوں اور پرچموں پر بادشاہ کی تصویریں بنوا کر اس کی خواہش پوری کی تھی، اس کی شان و شوکت کا پرچم بلند کیا تھا اس کا آقا اس کے اس اقدام پر ہرگز ناراض نہیں ہو سکتا تھا، نہ اس اقدام کی وجہ سے اس پر مقدمہ چلا کہ اسے قتل کرا سکتا تھا۔ وہ (پیلاطوس) تو اپنے آقا کا اتنا بڑا وفادار تھا کہ اس نے یہودیوں میں اپنی مقبولیت کو داؤ پر لگا دیا مگر اپنے آقا کے نام کا علم بلند رکھا۔ کوئی بادشاہ یا حکمران ایسے وفادار ملازم اور ماتحت عہدیدار کو کبھی قتل نہیں کیا کرتا وہ تو ایسے وفادار ملازم کو انعام و اکرام سے نوازتا اور اس کا مرتبہ اور بھی بلند کرتا ہے۔

پیلاطوس پر تیسرا الزام یہ تھا کہ اس نے بہت سے یہودیوں کو قانونی تقاضے پورے کئے بغیر سزائے موت دیدی۔ اس کا یہ اقدام بھی بادشاہ کی ناراضگی کا موجب نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا اور تاریخ اس کی گواہ ہے کہ یہودی شروع ہی سے رومی تسلط کے خلاف تھے، ریشہ دوانیاں، فتنہ و فساد اور بغاوتیں کرنا ان کی سرشت میں داخل تھا۔ پیلاطوس کو بھی وہ چین نہیں لینے دیتے تھے اور جب اس نے قیصر کی مورتیاں یروشلم میں نصب کرائیں، سکوں اور شاہی پرچموں پر بادشاہ کی تصویریں بنوائیں تو یہودیوں نے اس کی قیام گاہ کے سامنے بہت بڑا مظاہرہ کیا اور مارنے مرنے پر تیار ہو گئے تھے پس اگر پیلاطوس نے امن و امان قائم رکھنے کے لئے کچھ یہودیوں کو قتل کرا دیا ہو تو چنداں تعجب انگیز بات نہیں مگر اس نے یہ اقدام ملک میں امن و امان قائم رکھنے اور اپنے آقا (قیصر) کے مفاد میں کیا تھا اس لئے بادشاہ اس اقدام پر بھی اسے ہرگز سزائے موت نہیں دے سکتا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آخر بادشاہ نے پیلاطوس کو کس جرم میں سزائے موت دی؟ اس سوال کا جواب ہمیں "دی نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا" کا فاضل مقالہ نگار مہیا کر دیتا ہے وہ لکھتا ہے کہ :-

"یہودیوں کی طرف سے اس (پیلاطوس) کی مخالفت کی ایک اہم وجہ (حضرت) مسیحؑ کو دی جانے والی قانونی سزا بھی تھی جسے یہودی پیلاطوس کی کمزوری سے تعبیر کرتے تھے۔" "دی نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا" جلد نمبر ۹ ص ۴۴۰۔ ایڈیشن ۱۹۸۶ء)

حقیقت منکشف ہو گئی

اس حوالے نے اصل حقیقت منکشف کر دی۔ اس فاضل مسیحی محقق کی تحقیق کی رو سے۔ یہودی پیلاطوس پر الزام لگاتے تھے اور انہوں نے بادشاہ سے بھی شکایت کی تھی کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو قانونی سزا نہیں دی اور اس میں کمزوری دکھائی۔ وہ قانونی سزا کیا تھی جو پیلاطوس نے حضرت مسیحؑ پر نافذ نہ کر کے کمزوری دکھائی؟ وہ سزا یہی تھی کہ اس نے حضرت مسیحؑ کو وقت سے پہلے (زندہ حالت میں) صلیب پر سے اتروا لیا اور وہ صحت یاب ہو کر یروشلم کے مضافات اور فلسطین کے دیگر شہروں میں بھیس بدل کر گھومتے پھرتے رہتے مگر پیلاطوس نے انہیں گرفتار نہیں کیا

حتیٰ کہ آپؑ فلسطین سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ پیلاطوس کا اصل جرم یہی تھا جس کی وجہ سے قیصر اس کے خلاف مشتعل ہو گیا کیونکہ اس نے ایک ایسے شخص کو صلیبی موت سے بچا لیا تھا جسے قیصر اپنا باغی اور دشمن سمجھتا تھا اور اسے قتل کروانا چاہتا تھا۔ پس تاریخ کی شہادت ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ حالت میں نہ اتار لئے جاتے اور پھر فلسطین سے بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو پیلاطوس کبھی قتل نہ کیا جاتا گویا وہ حضرت مسیحؑ کی محبت میں مارا گیا اور رومی شہنشاہ قیصر طبریوس کے حکم سے اس کا سر کاٹا گیا کیونکہ قیصر سمجھتا تھا کہ پیلاطوس نے اس کے ایک باغی (حضرت مسیحؑ) جو اسرائیلیوں کا بادشاہ ہونے کا مدعی تھا بچا لیا۔ قیصر طبریوس کے بارے میں قدیم مورخوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نفسیاتی مریض تھا۔ اس کے بارے میں یہی رائے زمانہ ۔ حال کے مسیحی مورخین کی بھی ہے چنانچہ ممتاز مورخ H.F.Pelhem (ایچ۔ایف۔ پیلہم) نے اپنی عالمانہ کتاب میں لکھا ہے کہ :-

"قیصر طبریوس بگڑے ہوئے مزاج کا آدمی تھا اور بہت شکی واقع ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ کوئی شخص اس سے محبت نہیں کرتا تھا (دراصل) اسے جن حالات سے دوچار ہونا پڑا انہوں نے اسے اور بھی شکی اور بدگمان بنا دیا تھا اور یہ شک اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ ہر شخص کو اپنا (اور اپنی حکومت کا) غدار سمجھنے لگا تھا۔"

پس اس قسم کے شکی مزاج شخص کا معمولی سے شبہ پر بھی کسی سے بدظن ہو جانا ہرگز تعجب انگیز نہیں جبکہ یہاں تو فلسطین کے یہودی حضرت مسیحؑ کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ یہ شخص قیصر کے مقابلے میں اپنی متبادل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے پس اس کا پیلاطوس کو یہ حکم دینا کہ یسوع نامی اس شخص کو صلیب دے کر مار دو پوری طرح قابل یقین واقعہ ہے جو قیصر کے مزاج اور افتاد طبع سے مطابقت رکھتا ہے اور جب اس نے سنا کہ یسوع نامی یہ شخص صلیب سے زندہ بچ نکلا ہے اور یہودیوں نے اس کا ذمہ دار پیلاطوس کو قرار دیا تو اس نے پیلاطوس کو بھی اپنا مخالف اور دشمن سمجھا اور اس کا سر کٹوا دیا۔ اس سے قبل وہ شاہی فوج کے کمانڈر اور پیلاطوس کے سرپرست "سجانس" (Sejanus) کو بھی قتل کروا چکا تھا جس نے پیلاطوس کی سفارش کر کے اسے فلسطین کے صوبہ ۔ یہودیہ کا گورنر مقرر کرایا تھا کیونکہ شکی مزاج قیصر طبریوس "سجانس" کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگا تھا۔ پس ان میں سے کوئی واقعہ غیر منطقی نہیں تھا۔

جو مورخ یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ قیصر نے پیلاطوس کو اس لئے قتل کرایا کہ وہ حضرت مسیحؑ کا قاتل تھا اور اس نے قیصر کی خلاف منشا آپؑ کو صلیب پر چڑھایا تھا وہ اس حقیقت کو نظرانداز کر دیتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کا قاتل تو خود قیصر تھا اور اسی نے پیلاطوس کو حضرت مسیحؑ کی گرفتاری اور موت کی سزا دینے پر مامور کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی شہادت (جیسا کہ اس سے پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے) خود حضرت مسیحؑ نے دی جب پیلاطوس کے ایک سوال پر آپؑ نے کہا کہ :-

"اگر تجھے اوپر سے (اختیار) نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔"

(یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۱،۱۲)

یعنی تجھے ذاتی طور پر میرے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہیں، تجھے یہ اختیار اوپر سے (قیصر کی طرف سے) دیا گیا ہے اور اسی نے تجھے میری گرفتاری اور صلیب دہی پر مامور کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ "اس کا گناہ زیادہ ہے" گویا اصل مجرم قیصر ہے۔

پس حضرت مسیحؑ کے اس ارشاد نے اس قضیئے کا ہمیشہ کے لئے

فیصلہ کر دیا کہ گورنر پیلاطوس نے آپؑ کو صلیب پر سے زندہ (شدید غشی) کی حالت میں اتروالیا تھا اور بھیس بدل کر یروشلم سے بچ نکلنے میں حضرت مسیحؑ کی مدد کی تھی۔ قیصر نے اسی جرم میں گورنر پیلاطوس کو قتل کرایا تھا۔

قیصر طبریوس کا انجام

قیصر کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے خدا کے ایک مقدس نبی کو صلیب پر مروانے کی پوری کوشش کی تھی اور ایک عاشق نبی (پیلاطوس) کو قتل کرا دیا۔ اس کا یہ جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابل معافی تھا اس لئے اسے دنیا ہی میں اس کی سزا مل گئی۔ چنانچہ سلطنت روم کے ایک بڑے تاریخ نگار کا بیان ہے کہ قیصر طبریوس بیمار ہوا مگر پھر اس کی حالت سنبھل گئی اس کو زندگی کی طرف واپس لوٹتے دیکھ کر:۔

(طبریوس کے دست راست اور) شاہی فوج کے کمانڈر "سر توریس ماکرو" نے گلا گھونٹ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔"

اس طرح وہ شخص اپنے انجام کو پہنچا جس نے حضرت مسیحؑ کو صلیب پر قتل کرنے کی پوری کوشش کی اور پھر آپؑ کے عاشق صادق پیلاطوس کے خون ناحق کا مرتکب ہوا۔

("مقام مسیح" ص ص ۲۳۸ تا ۲۴۵)۔

الفضل کا تراشہ

پیغامیوں کے جھگڑوں سے جماعت کو بہت نقصان پہنچا ہے ان کی طرف بالکل توجہ نہ دیں

امام جماعت احمدیہ الرابع کا ۱۷۔ مارچ ۱۹۹۴ء کو احمدیہ ٹیلی ویژن پروگرام میں اہم ارشادات کا خلاصہ

"لندن ۱۷۔ مارچ ۱۹۹۴ء۔ سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے احمدیہ ٹیلی ویژن پر اپنے روزانہ پروگرام بات چیت میں جس کا نام اب حضرت صاحب نے ملاقات (تجویز فرمایا ہے) غیر مبایعین کے بارے میں تفصیلی ذکر فرمایا۔

آپ نے اس مسئلے کی تفاصیل پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا پیغاموں کے ساتھ جھگڑنے سے جماعت احمدیہ کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے اس طرف بالکل توجہ نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جو سلوک فرما رہا ہے اور ان سے جو سلوک فرما رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ اور سب پر واضح ہے اس لئے وہ جو بھی کہیں ان کو کہنے دیں اور ان کا کوئی جواب نہ دیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ اب چونکہ بعض سوال اٹھائے گئے ہیں اس لئے میں ایک دفعہ ان کا جواب دیتا ہوں۔

حضرت صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ اول کا ایک طویل ارشاد پڑھ کر سنایا اور درمیان میں اہم مقامات کی تشریح کرتے ہوئے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر کے رکھ دیا۔

آپ نے فرمایا حضرت امام جماعت احمدیہ اول کو امامت حضرت بانی سلسلہ کی جوتیوں کی طفیل عطا ہوئی۔ حضرت بانی سلسلہ کے ایک پٹھان رفیق روایت کرتے ہیں کہ میں جب قادیان جایا کرتا تھا تو ایک بوڑھے آدمی کو حضرت بانی سلسلہ کی جوتیوں میں بیٹھا دیکھا کرتا تھا۔ میں نے کبھی ان کی طرف توجہ نہ دی اور انہیں بالکل معمولی آدمی خیال کرتا رہا۔ جب مجھے حضرت بانی سلسلہ کے وصال کی خبر ملی تو میں قادیان پہنچا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ وہی بوڑھا بزرگ جو حضرت بانی سلسلہ کی جوتیوں میں بیٹھا کرتا تھا، لوگوں سے بیعت لے رہا ہے۔ اس پر میں نے بے ساختہ کہا کہ انہوں نے حضرت بانی سلسلہ کی جوتیوں کے طفیل (امامت) پائی ہے۔

حضرت صاحب نے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ایک فیصلہ کن اقتباس پیش فرما کر اس کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت بانی سلسلہ کی باتوں کا ایک ایک لفظ غور سے سننے کے لائق ہے۔ یہ علم و عرفان کے خزانے ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت بانی سلسلہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اس نے اپنے آپ پر یہ لازم کر رکھا ہے کہ اس کے بھیجے ہوتے لازماً کامیاب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بڑے قہری نشانوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے جاری کردہ سلسلہ کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کرتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کراتا۔ آخر وہ وقت آتا ہے کہ خدا کا بھیجا ہوا فرستادہ اپنا کام پورا کر کے اپنے مولا کے حضور حاضر ہو جاتا ہے۔ اس کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ اپنی دوسری قدرت ظاہر فرماتا ہے۔ ایسے وقت میں حالات یہ ہوتے ہیں کہ دشمن سوچتا ہے کہ یہ جماعت ختم ہو جائے گی اور جماعت کے مخلصین بھی پریشانی میں پڑ جاتے ہیں۔ کئی بد قسمت منحرف ہونے کی راہیں اپنانے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا زبردست ہاتھ ایک بار پھر اس گرتی ہوئی جماعت کو تھام لیتا ہے۔ اور جماعت میں (امامت) کا نظام جاری فرما دیتا ہے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے فرمایا پیغامیوں کو پتہ ہی نہیں کہ امامت کے دیوانے کن کو کہتے ہیں۔ جماعت احمدیہ مبایعین کا ایک ایک فرد امامت کا دیوانہ ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حضرت بانی سلسلہ کے معجزوں میں سب بڑا اعجاز یہ ہے کہ آپ نے ایک چشمہ رواں جاری کیا۔ یہ چشمہ ان علوم کے علاوہ ہے جو آپ نے جاری کیا۔ یہ رواں چشمہ جماعت احمدیہ کا وجود ہے۔ یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا۔ اس کی موجیں پہلے سے زیادہ طاقتور اور بلند تر ہوتی چلی جائیں گی۔ اس نے لازماً عالمگیر سمندر کی شکل میں پورا ہونا ہے۔ حضرت صاحب نے سوال کیا کہ یہ سارے وعدے کس کے حق میں پورے ہونے تھے؟ کیا اس انجمن کے حق میں جو غیر مبایعین نے قائم کر رکھی ہے۔ تو کیا وہ سارے وعدے جھوٹے ثابت ہوئے ہیں۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے فرمایا کہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے فرمایا تھا کہ:-

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دور اس مہ سے اندھیرا
دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

حضرت صاحب نے فرمایا آج غیر مبایعین کی حالت دیکھ کر تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ یہ سارے وعدے جھوٹے نکلے تو پھر آپ انجمن کا جھگڑا کیوں لئے بیٹھے ہیں۔ پھر تو ساری بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اگر حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ساری اولاد نعوذ باللہ کافر اور مرتد ہے تو پھر حضرت بانی سلسلہ کی بیعت کیوں کرتے ہو۔ جاؤ جا کر لیکھرام کی بیعت کرو۔ کیونکہ پھر تو اس کی ہی ساری باتیں درست ثابت ہوتی ہیں۔ اس نے یہ کہا تھا کہ قادیان میں کوئی (حضرت) مرزا (صاحب) کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا۔ حضرت صاحب نے فرمایا آج قادیان کا نام ساری دنیا میں شہرت پا گیا ہے۔ وہ جو ہمیں قادیانی کہہ کر تنگ کرتے ہیں وہ جانتے نہیں کہ ہمیں قادیانی کہنے سے قادیان کا لفظ ساری دنیا میں شہرت پا رہا ہے۔

حضرت صاحب نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ جن دنوں میں احمدیہ ہوسٹل لاہور میں پڑھائی کے سلسلہ میں مقیم تھا وہاں پر ایک پیغامی دوست اسلم صاحب مجھے بڑی باقاعدگی سے ملنے آیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے حسرت ہے کہ کاش حضرت بانی سلسلہ کی اولاد میں سے ایک ہی شخص ہماری جماعت میں شامل ہو جائے۔ میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ حضرت بانی سلسلہ کی اولاد میں سے ایک بھی شخص ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ تو میرا دل بیٹھ جاتا ہے۔ کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ وہ صاحب سارا دن بحث کر کے سر پھینک کر واپس چلے جاتے تھے کہ میں اپنے ساتھیوں سے بات کر کے دوبارہ آتا ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا وہ اچھے آدمی تھے۔ بے کار کج بحثی میں نہیں پڑتے تھے۔ بار بار کی بحث کے بعد وہ یہ حسرت ساتھ ہی لے کر فوت ہو گئے کہ کاش حضرت بانی سلسلہ کی اولاد کا ایک ہی شخص ان کی جماعت میں شامل ہو جائے۔

حضرت صاحب نے فرمایا یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے یعنی آج

(۱۹۹۴ء) سے قریباً ۴۹۔۵۰ سال پہلے کا۔ زمانہ بدل گیا۔ روشیں تبدیل ہو گئیں۔ وہ جماعت جس کو کو یہ قادیان میں چھوڑ آتے تھے اور بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم جماعت کے خزانے میں صرف ۶ یا ۱۲ آنے چھوڑ آتے ہیں بڑھتے بڑھتے اتنی وسیع ہو گئی کہ آج دنیا بھر میں اس کی شاخیں اور جماعتیں قائم ہیں۔ جب ان پیغامیوں کو یہ کہا جاتے کہ تمہاری تعداد جماعت مبایعین کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ کی جماعتیں اقلیت میں ہی ہوتی ہیں۔

حضرت صاحب نے فرمایا بات یہ نہیں ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کرتا کہ سفر کا آغاز اکٹھا ہو۔ اور ایک حصہ یہ دعویٰ کرے کہ جماعت کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ غلبہ ان کو نصیب ہے۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے یہ غلبہ اقلیت میں بدل جاتے۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ ان کی زمینیں تنگ کرتا چلا جارہا ہے۔ حضرت صاحب نے پیغامیوں سے فرمایا کہ عقل کے ناخن لو اور ہوش کر کے حقائق پر غور کرو۔ یہ لوگ بڑی شان سے قادیان سے نکلے تھے دندناتے ہوئے کہ جماعت کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ وہ اکثریت کہاں رہ گئی؟

حضرت صاحب نے اہل پیغام کو متنبہ فرمایا کہ جتنی گستاخیاں کرو گے نقصان اٹھاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں مزید ان کو منہ نہیں لگانا چاہتا۔

میں نے جتنی باتیں کی ہیں اب جس کے دل میں تقویٰ ہے۔ خدا تعالیٰ کا ذرا بھی خوف ہے وہ ان باتوں سے جان لے گا کہ حق کیا ہے؟ اور دوسری باتیں کیا ہیں۔ جو بالکل بے حقیقت اور لایعنی ہیں"۔

(روزنامہ الفضل، ربوہ، ۲۹ مارچ ۱۹۹۴) ۔

مرزا طاہر احمد صاحب کی تقریر کا جواب

بشارت احمد بقا

جماعت احمدیہ قادیان ثم ربوہ کے موجودہ قائد مرزا طاہر احمد صاحب ایک عرصہ سے انگلستان میں خود اختیاری جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔ جسے اہل ربوہ نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے اور اسے سنت انبیاء قرار دیا ہے۔ موصوف لندن کو اپنا تبلیغی مرکز بنا چکے ہیں۔ اور وہیں سے بذریعہ ٹیلی وژن اپنی تمام جماعتوں سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ انکی تقاریر اور خطبات اکثر بیشتر ٹیلی کاسٹ اور نشر ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار انکی تقریر کا رخ جماعت احمدیہ لاہور جسے وہ کبھی غیر مبائعین کے نام سے پکارتے ہیں اور کبھی پیغامی کیطرف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف نے ایک دھواں دار تقریر ۷ امارچ ۱۹۹۴ء کو ٹیلی وژن پر ٹیلی کاسٹ کی۔ جس کا عنوان ادارہ الفضل نے اپنے شمارہ محررہ ۲۹ مارچ ۹۴ء میں "پیغامیوں کے جھگڑوں سے جماعت کو بہت نقصان پہنچا ہے انکی طرف بالکل توجہ نہ دیں" دیا ہے۔ میں نے وہ تقریر خود نہیں سنی۔ میرے پاس ادارہ الفضل کا شائع کردہ خلاصہ ہے۔ جو اس نے اپنی ذمہ داری پر چھاپا ہے۔ خلیفہ صاحب موصوف نے جماعت کو تاکید فرماتی ہے۔ "کہ پیغامیوں کے ساتھ جھگڑے سے جماعت احمدیہ کو بہت نقصان پہنچا ہے اس لئے اس طرف بالکل توجہ نہ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے جو سلوک فرمارہا ہے اور ان سے جو سلوک فرمارہا ہے وہ سب پر عیاں ہے اس لیئے وہ جو بھی کہیں ان کو کہنے دیں اور ان کو کوئی جواب نہ دیں" ۔ انکی تقریر کا خلاصہ اتنا مختصر اور بے تسلسل ہے کہ قاری کو کچھ سمجھ نہیں آتی کہ آخر ایسے کیا عوامل پیدا ہوتے جن کے باعث خلیفہ صاحب کو بڑے تلخ لہجہ میں تقریر کرنی پڑی۔ جماعت کے افراد کو تو پیغامیوں سے کسی قسم کی گفتگو کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ مگر خود بعض اٹھائے گئے سوالات کے جوابات دینے ضروری سمجھتے ہیں۔ خلیفہ اول کے طویل ارشاد کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا جسکی روشنی میں مسئلہ خلافت کو حتمی طور پر واضح کر کے رکھدیا گیا۔ میری سمجھ سے یہ بات بعید ہے کہ ایسے خلاصہ کو شائع کرنے کی آخر ضرورت کیا تھی۔ جس سے کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی کی صورت پیدا ہوتی۔ خلاصہ سے صرف اتنا مترشح ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب نے پیغامیوں کو اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا ہے اور وہ پیغامیوں کے دلائل سے سخت بوکھلائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

جناب مرزا طاہر احمد صاحب کے والد بزرگوار یعنی خلیفہ ثانی نے اپنے رسالہ حقیقتہ الامر کے ذریعہ اپنے تمام مریدوں کو بہ استثنا طبقہ علماء تاکید کر دی تھی کہ غیر مبائعین کا لٹریچر بالکل نہ پڑھا کریں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان میں کثرت اپنے خلیفہ کی اس ہدایت پر سختی سے پابندی کرتی تھی۔ اور اس میں اس حد تک غلو کی راہ اختیار کی کہ ہمارے لٹریچر کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھا۔ اب موجودہ خلیفہ صاحب نے اپنے دیوانے متبعین کو ہدایت جاری کر دی ہے کہ پیغامیوں سے گفتگو کے باعث چونکہ انکی جماعت کو بہت نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ (حالانکہ انکی حیثیت آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں) اسلیئے ان کی طرف ہرگز توجہ نہ دی جائے اور ان کی تمام باتوں کو ان سنی کر دیا جائے اور جوابات وغیرہ سے اجتناب کیا جائے۔ مگر یہی نسخہ غیر احمدی حضرات پر استعمال کرنے سے نہیں روکا۔ ہمارے نزدیک اس رویہ سے خلیفہ صاحب نے جماعت احمدیہ کے مقابلے میں اپنی شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ حق و صداقت پر اگر ایک فرد واحد قائم ہو۔ اور اسکے مقابلہ میں ہزاروں نہیں لاکھوں کھڑے ہوں فتح نصیب وہی ہوتا ہے اور شکست اس جم غفیر کا مقدر بن جاتی ہے۔

جناب مرزا طاہر احمد صاحب بڑے فخر سے فرماتے ہیں کہ پیغامیوں کو پتہ ہی نہیں کہ امامت (اصل لفظ خلافت ہے جسے ادارہ الفضل نے مصلحتاً نہیں لکھا۔ ناقل) کے دیوانے کن کو کہتے ہیں۔ جماعت احمدیہ مبائعین کا

ایک ایک فرد امامت کا دیوانہ ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ان دیوانوں کو ہم اپنے دلائل کی قوت سے فرزانے نہیں بنا سکتے۔ خدا تعالیٰ خود انکی آنکھیں کھولے تو فرزانگی انکے دماغوں میں داخل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کی روشنی عطا کرتا اور وہی جسے چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں میں چھوڑ دیتا ہے۔ ہمارا کام صرف حق کا پہنچا دینا ہے۔ کوئی قبول کرے یا نہ کرے یہ اسکی اپنی مرضی اور سمجھ پر منحصر ہے۔

ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تقریر کے پس پردہ ضرور کوئی بات ہے جس نے مرزا صاحب موصوف کو سخت تشویش میں ڈالا ہے۔ اب خلیفہ صاحب اختلافی مسائل پر کھل کر گفتگو نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر وہ وہی عقائد کھلے عام بیان کریں جو انکے والد نے دنیا کے سامنے رکھے تھے۔ تو انگلستان کے اندر بھی انکے لئے فضا خراب ہو سکتی ہے۔ اور اگر وہی اعتقدات ٹیلی وژن پر ٹیلی کاسٹ کریں تو عالمی ایجی ٹیشن فوراً شروع ہو جاتے۔ جس سے تمام ربوی احمدیوں کی زندگی اجیرن ہو جاتے۔ اسلیئے اب جماعت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لیئے خلیفہ صاحب نے ایمان بالخلافت کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ اور اپنے دیوانے متبعین کو باور کرا رہے ہیں کہ نظام خلافت کے طفیل جماعت لاکھوں کی تعداد میں ہو گئی ہے۔ اور جماعت کی یہ کثرت اسکے سچا ہونے پر خدا کی فعلی شہادت ہے۔

خلیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں بانی سلسلہ احمدیہ کے ایک پٹھان رفیق کا بھی ذکر کیا ہے۔ خدا جانے اس روایت کا انکی خلافت سے کیا تعلق ہے۔۔ بہرحال اس روایت کو پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خلیفہ اول کو خلافت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جوتیوں میں بیٹھنے کے طفیل حاصل ہوئی۔ چلیئے ہم بھی تھوڑی دیر کیلیئے مان لیتے ہیں کہ ایسا ہوا ہو گا۔ مگر اعلیٰ حضرت آپ کے والد صاحب کو کس چیز کے طفیل خلافت ملی، انکے بعد آپکے بڑے بھائی کو اور پھر آپ کو۔ کیا خدا نے یہ شرط صرف نورالدین کے لیئے رکھی تھی۔ اور بعد میں اٹھالی گئی؟

بقول مرزا طاہر احمد صاحب وہ پٹھان بزرگ جب بھی قادیان جاتے تو ایک بوڑھے آدمی کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی جوتیوں میں بیٹھا دیکھتے مگر اس بوڑھے شخص کی طرف کبھی توجہ نہ کی اور بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد وہ قادیان گئے۔ تو دیکھا کہ وہی بوڑھا لوگوں سے اپنی بیعت لے رہا ہے۔ جوتیوں میں بیٹھنے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ باقی مرید تو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے پاس بیٹھے ہوتے اور صرف وہ بوڑھا شخص ان سب سے الگ اپنے مرشد کی جوتیوں میں بیٹھا کرتا۔ اس صورت میں مجلس میں حاضر ہونیوالے ہر مرید اس بوڑھے آدمی کی طرف توجہ کیئے بغیر نہیں رہ سکتا ہو گا۔ اور پھر بانی سلسلہ احمدیہ بھی بچشم خود دیکھتے ہوں گے۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ نورالدین جوتیوں میں بیٹھے ہوں اور بانی سلسلہ احمدیہ خود اور سلسلہ کے بزرگ بیقرار اور پریشان نہ ہوتے ہوں۔ یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ پٹھان ہر بار حضرت اقدس کی جوتیاں تو پہچان جاتے تھے۔ مگر انہوں نے ان جوتیوں پر بیٹھے ہوتے شخص پر ایک نگاہ ڈالنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ میرے نزدیک یہ راوی ہی بالبداہت غلط اور خود ساختہ ہے۔ نور الدین سلسلہ میں شامل ہونے سے قبل ہی علم و فضل اور خدا شناسی کی دولت سے مالا مال تھا اور ہندوستان کے طول و عرض میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اور صدیقت کے آثار اپنے اندر رکھتا تھا۔ وہ السابقون کا پہلا فرد تھا۔ جو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی مساعی جلیلہ میں بڑی قوت کا باعث ہوا۔ اس بزرگ انسان نے جونہی مجدد الوقت کے دعویٰ مجددیت کا اعلان پڑھا تو بغیر کسی پس و پیش کے سیدنا صدیق اکبرؓ کی طرح اپنا ہاتھ بیعت کیلیئے آگے بڑھا دیا۔ وہ کبھی اپنے مرشد کی جوتیوں میں نہ بیٹھا اور نہ مرشد نے بٹھایا۔ البتہ یہ ضرور ہوتا رہا کہ وہ بوڑھا شخص خطبہ دے رہا ہے۔ اور اس کا مرشد سامنے فرش مسجد پر بیٹھا سن رہا ہے۔ اور اسکی اقتدا میں نمازیں ادا کر رہا ہے۔ اور اسکے علم و فضل اور اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ پر رطب اللسان ہے۔ پروفیسر غلام سرور مرحوم نے اپنی تصنیف افادات سندھی میں ایک ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں وہاں درس قرآن دیا کرتے تھے۔ ایکدن درس کے دوران فرمانے لگے۔ میں نے سارا عالم اسلام چھان مارا ہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلا سے ملا ہوں۔ ان سے گفتگو کی ہے۔ ان کی

تقاریر سنی ہیں۔ مگر میں نے سارے عالم اسلام میں مولانا نور الدین سے بڑھ کر کوئی عالم قرآن نہیں دیکھا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہہ دیا۔ کہ نور الدین تو قادیانی تھے۔ مولانا سندھی نے فرمایا میں نے کب کہا ہے کہ وہ قادیانی نہیں تھے۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ میں نے ان سے بڑھ کر سارے عالم اسلام میں کسی کو عالم قرآن نہیں دیکھا۔ یہ الفاظ مولانا سندھی نے یوں ہی تو منہ سے نہیں نکالے تھے۔ اپنی ذاتی مشاہدہ کی بنا پر ہی کہے تھے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے قرآن و حدیث اور دیگر علم دین جس قدر سیکھا وہ اسی بوڑھے آدمی کے قدموں میں بیٹھ کر سیکھا۔ اس لیئے جس طرح سیدنا صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں بعد رحلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسرے شخص کو خلیفۃ الرسول ہونے کا حق نہیں پہنچتا تھا۔ اسی طرح حضرت نور الدین اعظمؒ کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خلیفۃ المسیح ہونے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے تو کتنا عرصہ پہلے ہی یہ کہہ کر حتمی فیصلہ کر دیا ہوا تھا۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر یک پر از نور یقیں بودے

سچی بات تو یہ ہے کہ حضرت مولانا نور الدین کے انتخاب نے آئندہ کیلیئے ایک ٹھوس معیار قائم کر دیا تھا۔ مگر افسوس ہوس اقتدار نے نہ اس معیار کی پرواہ کی اور نہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی الوصیت کی۔ تقویٰ کی راہ چھوڑ کر سیاسی ہتھکنڈے استعمال کیئے گئے۔

مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنی تقریر میں دوسری قدرت کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر جن حالات میں وہ قدرت ظہور کرتی ہے۔ وہ حالات سلسلہ احمدیہ کے حوالہ سے قطعاً بیان نہیں کیئے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے وقت میں حالات یہ ہوتے ہیں کہ دشمن سوچتا ہے کہ یہ جماعت ختم ہو جائیگی اور جماعت کے مخلص بھی پریشانی میں پڑ جاتے ہیں۔ کئی بدقسمت منحرف ہونے کی راہیں اپنانے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا زبردست ہاتھ ایک بار پھر اس گرتی ہوئی جماعت کو تھام لیتا ہے اور جماعت میں امامت کا نظام جاری فرما دیتا ہے"۔ میرا ان سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ از راہ کرم اپنی بیان کردہ صورت کو سلسلہ احمدیہ کے حوالہ سے ثابت کریں۔ لیکن وہ انشاء اللہ العزیز ہرگز ثابت نہ کر سکیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا لاہور میں وصال ہوا۔ تو برصغیر پاک و ہند میں جہاں جہاں احمدی جماعتیں قائم تھیں۔ انہیں جب اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ تو قدرتاً انکے دلوں میں انتہائی رنج و غم کی لہر دوڑ گئی۔ مگر اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اور کہیں بھی کسی فرد یا جماعت نے آپکی وفات کی خبر پا کر راہ حق کو نہ ترک کیا۔ اور نہ غیروں نے یقین کیا کہ اب یہ سلسلہ ختم ہو جائیگا۔ بلکہ بیدار مغز مشاہیر زمانہ نے اس عظیم المرتبت شخصیت کو اسکی عدیم المثال خدمات دینیہ کے پیش نظر کھل کر خراج تحسین پیش کیا۔ اور کچھ ایسے بھی افراد تھے جو اگرچہ اس سلسلہ کے مخالف تھے۔ انہوں نے بھی آپکی خدمات جلیلہ کا کھلے بندوں اعتراف کیا۔ اور ساری دنیا نے دیکھا کہ حضرت اقدس کی وفات پر کسی اندرونی یا بیرونی فتنہ نے سر نہ اٹھایا۔ حالات جوں کے توں پر سکون اور پر امن رہے۔ حضرت مولانا نور الدین آپکی جگہ سنبھالنے کیلیئے نہایت احسن طور پر خلیفہ منتخب کر لیئے گئے۔ اور آپ نے اپنے امام کے جملہ فرائض سنبھال لیئے۔ اور صدر انجمن احمدیہ اپنے مفوضہ فرائض حسب معمول ادا کرتی رہی۔ اب جائے غور ہے کہ جب وہ صورت حال جو مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنی زیر نظر تقریر میں بیان کی ہے وہ پیدا ہی نہیں ہوتی تو صاف ظاہر ہے کہ قدرت ثانی کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا ظہور موصوف کے بیان کردہ حالات سے مشروط ہے۔

میرے خیال میں اگر قدرت ثانی کا ظہور ہو سکتا تھا تو اس کے لیئے دو نہایت ہی خوفناک مواقع پیدا ہوتے۔ پہلا واقعہ ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوا۔ جب صوبہ پنجاب میں تحریک تحفظ ختم نبوت نے بڑی زوردار ایجی ٹیشن شروع کی اور جس نے اتنی شدت اختیار کی کہ احمدیوں کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ گورنمنٹ کو لاہور میں مارشل لاء نافذ کرنا پڑا اور بڑی مشکل سے اس ایجی ٹیشن پر قابو پایا۔ پھر گورنمنٹ نے ایک تحقیقاتی عدالت جسٹس محمد منیر کی سربراہی میں مقرر کر دی۔ اس عدالت میں مختلف مکاتب فکر سے

تعلق رکھنے والے علماء بھی اپنا اپنا نکتہ نظر بیان کرنے کے لیئے پیش ہوئے اور مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ جماعت ربوہ بھی۔ اس عدالت نے جماعت احمدیہ لاہور کو فریق بنانے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اس کے عقائد زیر بحث ایجی ٹیشن پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں اور نہ ہی یہ جماعت ملک کی سیاست میں دلچسپی رکھتی ہے اس عدالت میں قادیانی عقائد پر بھی جرح و قدح ہوئی۔ عدالت نے ابتدائی طور پر سات سوالات کیئے جن کا جواب صدر انجمن احمدیہ ربوہ نے دیا۔ وہ ادارہ دارالتجلید لاہور نے چھاپ کر پبلک میں پھیلا دیا۔

خلیفہ ثانی نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی جن عقائد کا اعلان کیا تھا۔ اور جن پر اپنے متبعین کو قائم کیا تھا۔ ان میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی اور تاویلوں کا سہارا لیا۔ پہلے کہتے تھے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نبی تھے۔ اور زمرہ انبیاء کے فرد تھے۔ اور جس طرح دوسرے انبیاء میں سے کسی ایک نبی کے انکار سے ایک شخص کافر ہے اسی طرح آپ کی نبوت کا منکر بھی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ تمام مسلمان جو موصوف کی بیعت میں داخل نہیں خواہ انہوں نے آپ کا نام بھی نہ سنا ہو دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور انکے بچوں کا جنازہ بھی ایسے ہی حرام ہے جیسے کسی عیسائی اور یہودی کے بچے کا۔ (بحوالہ آئینہ صداقت) لیکن جب تحقیقاتی عدالت نے دریافت کیا کہ کیا آپ کے نزدیک مرزا صاحب کا ماننا جزو ایمان ہے۔ تو جواب دیا "نہیں"۔ یہ قدرت ثانیہ کا مظہر ثانی بھی کیا انسان تھا کہ باوجود موید من اللہ ہونے کے بجائے اپنے عقائد پر ڈٹے رہنے کے ان سے دست بردار ہوگیا۔ اور جماعت ان عقائد باطلہ کے باعث جس عذاب میں مبتلا تھی۔ اس سے وقتی طور پر اسکو چھٹکارہ نصیب ہوگیا۔

اس ضمن میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے پریس رپورٹرز کے انٹرویو کی روئداد قارئین کیلئے دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ تحقیقاتی عدالت کی کارروائی کے دوران خواجہ نذیر احمد مرحوم مالک اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور اور مولانا محمد یعقوب خان صاحب مرحوم ایڈیٹر مرزا صاحب موصوف کے ہاں انٹرویو لینے کیلئے گئے۔ انہوں نے انٹرویو کی ابتدا کرتے ہوئے پہلا سوال یوں کیا۔

سوال:- جماعت احمدیہ کے خلاف موجودہ ایجی ٹیشن کی سب سے بڑی وجہ یہ عام الزام ہے کہ احمدی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں سمجھتے۔ کیا اس الزام میں کوئی حقیقت ہے؟

جواب:- یہ الزام قطعاً غلط ہے۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے واضح ارشاد کے مطابق خاتم النبیین مانتے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (علیہ السلام) نے بارہا اعلان کیا تھا کہ میں ختم نبوت کے عقیدہ پر محکم ایمان رکھتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اس عقیدے پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

سوال:- دوسرا الزام یہ ہے کہ احمدی غیر احمدی مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں کیا یہ الزام مبنی بر حقیقت ہے۔

جواب:- جو کوئی اپنے آپکو مسلمان کہتا ہے۔ اس کو مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔ اسلام کی بنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے رکھی گئی ہے۔ اور حضورؐ کے ذریعہ ہی بنی نوع انسان کو قرآن کی صورت میں الہامی کتاب ملی اسلیئے جو کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی (آخر الانبیاء) سمجھتا ہے اور قرآن کو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے آخری کتاب تسلیم کرتا ہے اُسے مسلمان کہلانے کا حق حاصل ہے۔ خواہ وہ قرآن کریم کی بعض تعلیمات پر عمل نہ کرتا ہو۔ نہ ہم نہ کوئی اور ایسے شخص کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ دائرہ اسلام سے اسی طرح خارج ہے جس طرح ہندو اور عیسائی وغیرہ ہیں۔ بلاشبہ ایک سچا مسلمان بننے کیلئے اسلام کی تعلیمات کا پابند ہونا ضروری ہے۔ جب تک کوئی شخص ایسا نہیں کرتا وہ محض نام کا مسلمان ہے۔ اس سے ہماری پوزیشن واضح ہو جانی چاہیئے۔ اگر لفظ کافر کا مطلب ایسا شخص ہے جو ہندوؤں اور عیسائیوں کی طرح دائرہ اسلام سے خارج ہو۔ تو یقیناً یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ جماعت احمدیہ کے مخالفین اس بارے میں ہمارے عقیدے کو غلط طور پر پیش کرتے ہیں اور جہاں

تک اس امر کا تعلق ہے عوامی ذہن کو گمراہ کر دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ ہمارا عقیدہ نہیں ہے بلکہ میں تو اپنے پیروؤں سے یہی کہتا رہا ہوں کہ وہ ایسے القاب استعمال کرنے سے اجتناب کریں جن سے غیر احمدی مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔

سوال :- اس وضاحت کی روشنی میں آپ کی پوزیشن مولانا مودودی امیر جماعت اسلامی کی پوزیشن سے تقریباً مشابہ ہے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ "صالحین" یعنی اصلی مسلمان اور دوسرے "رسمی" مسلمان۔ کیا میں آپکی پوزیشن کو اس طرح سمجھنے میں درست ہوں؟

جواب :- ہاں اگر مولانا مودودی کے یہی خیالات ہیں تو ہماری پوزیشن یہی ہے۔ (بحوالہ الفضل مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۵۳ء)

جناب مرزا بشیر الدین صاحب نے اپنے ہاتھ سے اجرائے نبوت اور تکفیر اہل قبلہ کی جو عمارت تعمیر کی تھی۔ وہ عدالت میں جاکر اور اخبار کے متذکرہ رپورٹرز کے سامنے اپنے ہی ہاتھ سے مہندم بھی کر دی۔ اور پھر بھی قدرت ثانی کا وہ مظہر بدستور رہے۔ جس کی نسبت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی متعدد پیشگوئیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اور واقعاتی حقائق کو دانستہ نظرانداز کیا جاتا ہے۔

دوسرا موقع قدرت ثانیہ کے مزعومہ مظہر ثالث کے دور میں پیدا ہوا۔ جماعت ربوہ نے ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں بھرپور حصہ لیا۔ اور پیپلز پارٹی کی جی بھر کے مدد کی۔ اور دینی جماعتوں اور مسلم لیگ کو اپنی سیاسی سرگرمیوں سے سخت ناراض اور مضطرب کیا۔ وہ تمام اس ٹوہ میں لگے رہے کہ انکے خلاف کوئی بہانہ ایجی ٹیشن کا مل جائے اور پھر ان سے جی بھر کے انتقام لیا جائے۔ قسمت نے ان کی یاوری کی۔ اور خلیفہ ثالث کی کوتاہ اندیشی سے ربوہ کے اسٹیشن پر ایک واقعہ رونما ہوا۔ جو ملک گیر ایجی ٹیشن کا باعث بن گیا۔ احمدیوں کے خلاف ہولناک ہنگامے ہونے لگے اور چاروں طرف تباہی پھیل گئی۔ کسی احمدی کی جان محفوظ نہ رہی۔ مخالفت کے اس طوفان بلا خیز نے ایک طرف ربوہ میں خلافت کے در و دیوار ہلا دیئے اور دوسری طرف ملک کے طول و عرض میں تمام احمدیوں کی جان، مال اور آبرو مخالفین کے رحم و کرم کی محتاج ہو گئی۔ اور حکومت بھی انکی حفاظت کے سلسلہ میں بے بس ہو گئی۔ یہ قدرت ثانیہ اپنی جماعت کو کچھ بھی سہارا نہ دے سکی۔ اور کسی کو خدا کا دست غیب اسکی اعانت اور نصرت کرتے ہوئے نہ دکھائی دیا۔ مجبوراً بہت سارے لوگ اگر حقیقی طور پر نہیں تو لازماً عارضی طور پر سلسلہ سے منحرف ہو گئے۔ اور یوں مخالفین کے غیض و غضب سے اپنی جان بچائی۔ یہ ایجی ٹیشن مئی ۱۹۷۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ بھٹو صاحب نے قومی اسمبلی کو ایک عدالت کی صورت دیدی اور ہر ممبر اسمبلی جج بن گیا۔ گورنمنٹ نے مدعی کا رول ادا کیا اور احمدیوں نے مدعا علیہ کا۔ وہ لوگ جو اسمبلی کے ممبر تھے باہر وہ ایجی ٹیشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور مخالفت کی آگ خوب بھڑکاتے تھے۔ وہی لوگ احمدیوں کے مقدمہ میں کرسئ عدالت میں بیٹھ گئے۔ قدرت ثانیہ اس بے مثال عدالت میں پیش ہوتی رہی۔ اور بالآخر فیصلہ یہ سنایا گیا کہ سلسلہ احمدیہ سے تعلق رکھنے والے تمام افراد غیر مسلم ہیں۔ جماعت ربوہ کے ساتھ جماعت لاہور جو آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتی تھی وہ بھی گیہن کی طرح ساتھ ہی پس گئی۔ کیونکہ مخالف علماء کا گروہ جو اسمبلی میں بیٹھا ہوا تھا وہ لاہوریوں کو قادیانیوں کے لیئے چور دروازہ سمجھتا تھا۔ یعنی اگر لاہوری مسلم تسلیم کر لیئے گئے تو قادیانی قومی اسمبلی کے فیصلہ کے اثرات سے بچنے کے لیئے لاہور کے عقائید کا اعلان کر دینگے۔ اور یوں انکی ایجی ٹیشن بے نتیجہ اور بے مقصد ہو جائیگی۔ اب خدا را کوئی قادیانی دوست بتائے کہ ایسے مصیبت کے وقت میں جس کی مثال مذہبی دنیا کی تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ قدرت ثانیہ نے اپنی جماعت کی کیا دستگیری کی اور کونسا کردار ادا کیا۔ جس سے اس کا موئد من اللہ ہونا ثابت ہوتا۔ یہ تو بہت بڑی آفت تھی کہ دشمن اپنے منصوبوں میں کامیاب ہو گئے۔ اور حق پرست خائب و خاسر۔ جس کے نتیجہ میں بیشمار لوگ ترک وطن پر مجبور ہو گئے۔ اور دیار مغرب میں جاکر سیاسی پناہ لی۔ معاملہ یہیں پر ہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ خلیفہ رابع پر ایک افتاد آئی۔ تو وہ حکام کی آنکھوں میں دھول ڈال

کر ملک سے فرار ہو گئے اور قوم کو سپرد خدا کر دیا۔ اور اپنے آپ کو ان صعوبتوں سے بچا لیا جو حق پرستوں پر بسا اوقات وارد ہوتی رہتی ہیں۔ اور انکی استقامت سے ایمان و عرفان کے چارسو چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔

مرزا طاہر احمد صاحب فرماتے ہیں۔ "حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے معجزوں میں سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ آپ نے ایک چشمہ رواں جاری کیا یہ چشمہ ان علوم کے علاوہ ہے۔ جو آپ نے جاری کیا۔ یہ رواں چشمہ جماعت احمدیہ کا وجود ہے۔ یہ سلسلہ بڑھتا رہیگا اور اسکی موجیں پہلے سے زیادہ طاقتور اور بلند تر ہوتی چلی جائینگی۔ اس نے لازماً عالمگیر سمندر کی شکل میں پورا ہونا ہے۔ یہ سارے وعدے کس کے حق میں پورے ہونے تھے کیا اس انجمن کے حق میں جو غیر مبایعین نے قائم کر رکھی ہے تو کیا وہ سارے وعدے جھوٹے ثابت ہوئے ہیں"۔

مرزا طاہر احمد صاحب بار بار اپنی کثرت کا راگ الاپتے ہیں۔ اور انکی تقریر کی تار ہر بار صرف اسی نکتہ پر ٹوٹتی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے شعر "ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم۔ یک قطرہ ز بحر کمال محمد است" میں صرف ان علوم کو مراد لیا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی تائید اور عطا کردہ توفیق سے دنیا کے سامنے پیش کیئے۔ اور بالمقابل تمام مذاہب کے علماء فضلاء کو عاجز کر دیا۔ اور شوکت اسلام کا ڈنکا چار سو بجا دیا۔ اور صاف اقرار کیا کہ یہ چشمہ رواں جو مخلوق خدا کو دے رہا ہوں یہ میرے ہادی برحق ختم المرسلین سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹھاٹھیں مارتے بحر کمال کا صرف ایک قطرہ ہے۔ لیکن مرزا طاہر احمد صاحب نے کھینچ تان کر اس شعر کو اپنی جماعت پر جڑ دیا ہے۔ بندہ خدا ابھی تو اسلام عالمگیر سمندر کی صورت اختیار نہیں کر سکا۔ دنیا کی چار ارب آبادی کا چوتھائی اسلام کے حصے میں آتا ہے۔ آپ نے تو اس ایک ارب آبادی کو بھی دائرہ اسلام سے خارج قرار دے رکھا ہے۔ اور دنیا میں صرف مسلمان وہ بتاتے ہیں جو آپکے مبایعین ہیں۔ اور انکی تعداد چند لاکھ تک محدود ہے۔ ۱۹۵۲ء کے فسادات کے بعد ملک جعفر خان ایڈووکیٹ نے ایک کتاب "احمدیہ تحریک" شائع کی۔ میرے ایک قادیانی افسر نے مطالعہ کیلئے مجھ سے لی۔ اور پڑھنے کے بعد مجھ سے نہایت سنجیدگی سے پوچھنے لگے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے انکار سے کل جہان کے مسلمان واقعی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ تو کیا یہ حضرت موصوف نے واقعی کوئی اسلام کی قابل قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ یا علماء ربانی بشمول مجددین سابق کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی ملت اسلامیہ کا نام و نشان ہی مٹا دیا ہے۔ میں نے فی الفور جواب دیا محترم یہ سوال آپکو اپنے خلیفہ صاحب سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خاکسار تو ہر کلمہ گو کو مسلمان یقین کرتا ہے۔ اور تحریک احمدیہ کو اس منصوبہ الٰہی کا ایک حصہ قرار دیتا ہے جو امت محمدیہ میں ابتدائی زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ خلیفہ صاحب کے پیش کردہ عقائد کی رو سے حضرت مرزا صاحب اسلام کے ناصر نہیں بلکہ بدترین دشمن دکھائی دیتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد صاحب چند لاکھ کی جمعیت کو موجیں مارتا ہوا عالمگیر سمندر دیکھنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر میرے مکرم جب تک تکفیر کا تبر آپ کے ہاتھ میں ہے آپ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو تجدید دین اور اصلاح امت کیلئے مبعوث فرمایا تھا نہ کہ اپنی ذات کو منوانے کیلئے۔ وہ خادم دین مصطفیٰ ہو کر آتے تھے۔ اور بچشم پرنم فریاد کرتے تھے۔

بیکسے شد دین احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے باکار خود با دین احمد کار نیست

ان کا مشن کافروں کو مسلمان بنانا تھا مسلمانوں کو کافر بنانا نہ تھا۔ بلکہ انہیں کامل الایمان بنانا تھا۔ جیسا کہ انکے اس الہامی شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔

چوں دور خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند

مگر مرزا طاہر احمد صاحب کے والد مکرم نے بیک جنبش قلم عقائد باطلہ وضع کر کے بزعم خود سارے مسلمانوں کا صفایا کر دیا اور اپنے اس کارنامے پر فخر کرتے رہے تاآنکہ ۱۹۵۲ء کے فسادات برپا ہوئے اور ان کے ہوش ٹھکانے لگے۔ خلیفہ رابع کو اپنی جماعت کی ترقی جماعت لاہور کے

حوالے سے نہ دیکھنی چاہیئے۔ بلکہ عالمی سطح پر اس کا محاکمہ کرنا چاہیے۔ میں بانی سلسلہ احمدیہ سے کیئے گئے خدائی وعدوں کو درست مانتا ہوں۔ مگر میرے نزدیک ابھی ان وعدوں کے ایفا کا وقت نہیں آیا۔

اپنی مزعومہ کثرت کو اسلامیان عالم کے حوالے سے دیکھیں۔ محض ایک چھوٹا سا قطرہ دکھائی دے گی۔ لیکن اگر اپنی کثرت کا گھمنڈ جماعت لاہور کو دکھاتے ہو۔ تو پھر سنو مسیح محمدی کو مسیح موسوی سے شدید مشابہت اور مناسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس وعدہ کا ذکر فرمایا جو حضرت مسیح ناصری سے کیا گیا۔ فرمایا "اے عیسیٰ میں تجھے وفات دونگا اور تجھے اپنی طرف بلند کرونگا اور کفار کے الزامات سے تیری تطہیر کرونگا۔ اور تیرے متبعین کو ان لوگوں پر جو کفر پر جمے رہینگے روز قیامت تک غلبہ بخشونگا"۔ یہی وعدہ حضرت مسیح محمدی سے بھی کیا گیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح ناصری پر ایمان لانے والے دو گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک گروہ جو نہایت قلیل تعداد میں تھا۔ لا الہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ پڑھتا تھا۔ اور موحد کہلاتا تھا۔ دوسرا فرقہ جو کثیر التعداد تھا۔ وہ ایک خدا کی جگہ تین خداؤں کا قائل تھا اور حضرت مسیح ابن مریم کو نبی کی بجائے ابن اللہ اور تین اقنوم میں سے دوسرا اقنوم مانتا تھا۔ اس تثلیث پرست فرقہ کو دنیا کے نہایت ہی وسیع و عریض حصہ میں فروغ حاصل ہوا حکمرانی بھی اسکے قبضے میں آئی اور تمام اقوام عالم پر غلبہ بھی پایا۔ اور موحدین بیچارے قوت لایموت کی حالت میں ہمیشہ رہے۔ اگر کثرت اور سیاسی غلبہ واقعی صداقت کی نشانی تھے۔ تو پھر کیوں نہ تثلیث پرستوں کو کم از کم ظہور اسلام سے قبل جادہ حق پر تسلیم کر لیا جائے اور موحدین کو باطل پرست راندہ درگاہ الٰہی قرار دیدیا جائے۔ اور پھر یہ بھی واضح کیا جائے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تثلیث پرست عیسائیوں کی جا بجا پر زور مذمت کیوں کی ہے۔ اگر اس پیش کردہ پیچیدہ عقدہ کو آپ حل کر لیں تو پھر انشاء اللہ آپکو مٹھی بھر جماعت احمدیہ لاہور کا جسے آپ آٹے میں نمک قرار دیتے ہیں کبھی غیر مبائع اور کبھی پیغامی کہہ کر پکارتے ہیں حل بھی اسی میں مل جائیگا۔

دراصل قومیں اور جماعتیں اصولوں پر جیتی ہیں۔ اور وہ جماعتیں بڑی بزدل ہوتی ہیں جو آزمائش کے وقت اپنے اصولوں سے دست بردار ہو جاتی ہیں یا ان میں لچک پیدا کر کے سر پڑی مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرتی ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سر افتاد آنے پر جماعت ربوہ نے قلابازیاں کھائی ہیں۔ اور اپنے عقائد میں تاویلوں کا سہارا لیکر گلو خلاصی کرائی ہے۔ مگر یہ مٹھی بھر جماعت احمدیہ لاہور روز اول سے جس مسلک پر قائم ہوئی وہ خدا کے فضل و کرم سے آج بھی اسی برس گذر جانے کے باوجود اسی پر بڑی سختی سے قائم ہے۔ اور مداہنت اور منافقت کا خفیف سا دھبہ بھی اسکے دامن پر آج تک نہیں لگا۔ یہی اسکی فتح اور کامیابی ہے۔ گذشتہ چند سالوں میں جنوبی افریقہ کی دو عدالت ہائے عالیہ میں دو مقدمے دائر ہوئے۔ وہاں کے مسلمانوں کی امداد کے لیئے پاکستان سے نامی گرامی علماء و فضلاء کو سرکاری خرچ پر بھیجا گیا۔ اور ہماری جماعت کی طرف سے دونوں دفعہ ایک مرد بیمار عالم دین پیش ہوا۔ وہ مرد حق حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے چشمہ رواں سے سیراب تھا۔ وہ دونوں عدالتوں کی کارروائیوں پر چھایا رہا۔ اور اپنے مقابلے پر کسی عالم دین کے پاؤں زمین پر ٹکنے نہ دیے۔ اور کامیابی اور فتح کا سہرا سر پر باندھ کر اپنے وطن کو واپس لوٹا۔ مرزا طاہر احمد صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو لٹریچر اس چھوٹی سی جماعت نے دنیا میں پھیلایا ہے۔ قبول عام کی سند اسے حاصل ہوئی ہے اور تمام مسلم اور غیر مسلم مفکرین عہد حاضر انہی دینی تصورات اور خیالات کو معقول اور قابل عمل سمجھتے ہیں۔ جو اس جماعت نے پیش کیے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ خود تخم ریزی کرنے کے لیئے آئے تھے۔ ہم بھی انکی تتبع میں تخم ریزی کر رہے ہیں۔ اور انشاءاللہ ہماری یہ محنت اپنا پھل ضرور لائیگی۔

مرزا صاحب موصوف نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی ایک طویل نظم کا ایک بند بھی تقریر میں پڑھا۔ جو یہ ہے۔

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا
جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کرونگا دور اس مہ سے اندھیرا

دکھاؤں گا میں اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

اس بشارت کو غالباً مرزا طاہر احمد صاحب اپنے والد مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب پر چسپاں کر رہے ہیں۔ جواباً عرض ہے۔ بانی سلسلہ احمدیہ کے اس فرزند نے دنیا میں اندھیرا نہیں مٹایا بلکہ پھیلایا ہے۔ اور کوئی انقلاب آفریں کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ ان کی کارگزاریوں سے نفرتیں پھیلی ہیں۔ اخوت، موانست اور محبتوں کا خاتمہ ہوا ہے۔

یاد رہے کہ یہ بشارت اس بیٹے کیلئے ہے جس کے متعلق الوصیت میں لکھا ہے:

"خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ میں تیری جماعت کے لیئے تیری ہی ذریت سے ایک شخص کو قائم کروں گا اور اسکو اپنے قرب اور وحی سے مخصوص کروں گا۔ اور اسکے ذریعے سے حق ترقی کرے گا۔ اور بہت لوگ سچائی قبول کرینگے"۔

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی اس خبر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی ذریت سے قائم ہونے والا شخص یقیناً اپنے وقت کا مامور من اللہ ہو گا۔ جسے خدا تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہو گا اور وحی سے مخصوص بھی کیا جائیگا۔ خلیفہ ثانی میں ان دونوں خصوصیات کا فقدان تھا اور انکے کارنامے سلسلہ کی جگ ہنسائی اور رسوائی کا باعث ہوئے جنکی تفصیل سخت رنجدہ ہے۔

خدا تعالیٰ کے وعدے یقیناً سچے ہیں۔ اور انشاء اللہ وہ پورے ضرور ہونگے۔ مگر ان وعدوں کی مصداق حضرت بانی سلسلہ کی یہ موجودہ اولاد نہیں۔ قادیان میں حضرت مولانا نور الدین کا زمانہ ہر لحاظ سے سنہری زمانہ تھا۔ اس دور میں اس سلسلہ کو چار چاند لگے۔ مشاہیر کی نگاہیں اس طرف اٹھیں اور علامہ اقبال نے قادیان میں رائج دینی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی نظام کو سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ قرار دیا۔ مگر خلیفہ ثانی نے خلافت پر قبضہ حاصل کرتے ہی جو من مانا نظام قائم کیا اس نے پہلے نظام کو تلپٹ کر کے رکھ دیا۔

ہمیں لیکھرام کا طعنہ کس برتے پر دیتے ہیں وہ خبیث انسان دشمن خدا شاتم رسول اور بانی سلسلہ احمدیہ کا بدترین معاند تھا۔ خدا کے مامور نے فرمایا

جس کی دعا سے آخر لیکھو مرا تھا کٹ کر
ماتم پڑا تھا گھر گھر وہ مرزا یہی ہے۔

قادیان آپ حضرات کی مہربانیوں سے بدنام ہوا۔ اور ہمارا اس گناہ سے دامن الحمد للہ پاک رہا۔ آپ اس بدنامی کو شہرت کا نام دیکر خوش ہوتے ہیں۔ بر ایں عقل و دانش بباید گریست

ہم انجمن کا نام اسلیئے لیتے ہیں۔ کہ اسکو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے خود قائم کیا اور اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ آپ انجمن کے نام سے کیوں چڑتے ہیں۔ حیرت ہے حضرت اقدس کی ذریت ہو کر انکی قائم کردہ با اختیار انجمن کو توڑتے ہوئے کوئی شرم محسوس نہ کی۔ افسوس صد افسوس۔

مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنی تقریر میں اصل حقائق اور واقعات کو بھی مسخ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ بلکہ کھلے بندوں دروغ سے کام لیا ہے۔ جیسا کہ انکی تقریر کے خلاصہ میں بتایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا:

"وہ جماعت جس کو یہ قادیان میں چھوڑ آئے تھے اور بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہم جماعت کے خزانے میں صرف ۶ یا ۱۲ آنے چھوڑ آئے ہیں۔ بڑھتے بڑھتے اتنی وسیع ہو گئی کہ آج دنیا بھر میں اسکی جماعتیں اور شاخیں قائم ہیں۔ جب ان پیغامیوں کو کہا جائے کہ تمہاری تعداد جماعت مبایعین کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ کی جماعتیں اقلیت میں ہی ہوتی ہیں"۔

پھر کہا "بات یہ نہیں ہے۔ یہ کبھی ہوا نہیں کرتا کہ سفر کا آغاز اکٹھا ہو اور ایک حصہ یہ دعویٰ کرے کہ جماعت کی اکثریت اس کے ساتھ ہے۔ غلبہ اسکو نصیب ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ غلبہ اقلیت میں بدل جائے۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ انکی زمینیں تنگ کرتا چلا جا رہا ہے۔ عقل کے ناخن لو اور ہوش کر کے حقائق پر غور کرو۔ یہ لوگ بڑی شان سے قادیان سے نکلے تھے دندناتے ہوئے کہ جماعت کی اکثریت

ہمارے ساتھ ہے وہ اکثریت کہاں رہ گئی" پھر متنبہ کیا کہ "جتنی گستاخیاں کرو گے نقصان اٹھاؤ گے" اور اپنے غیض و غضب کو ان الفاظ میں ختم کیا "میں مزید ان کو منہ نہیں لگانا چاہتا"۔

ہم نے انکی تقریر کے خلاصہ کا آخری حصہ جس کا تعلق ہمارے ساتھ ہے اوپر پورا درج کر دیا ہے۔ ہمیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ مرزا طاہر احمد صاحب نے اختلاف کے ابتدائی دور سے متعلق دونوں جماعتوں کے شائع کردہ رسائل و کتب کا بالکل مطالعہ نہیں کیا اور تصویر کا صرف وہ رخ سامنے رکھا ہے جو انکے والد گرامی اور انکے ہم خیال اور مطیع علماء نے پیش کیا تھا۔ جو سراسر جھوٹ اور دروغ بافی کا مرقع تھا۔ اختلاف مرزا طاہر احمد صاحب کی ولادت سے بارہ سال قبل ہوا۔ جب اپنے سن شعور کو پہنچے۔ تو وہ اسی ماحول میں گھرے ہوتے تھے جو اکابر لاہور کے بدترین دشمنوں نے قائم کر رکھا تھا۔ بانی سلسلہ احمدیہ کے خاندان کے افراد نے حضرت اقدس کے مخلص ترین جاں نثاروں کی کردار کشی کیلئے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ مرزا طاہر احمد صاحب کے بیان کردہ خانہ زاد واقعات بھی اسی کردار کشی کا ایک حصہ تھے۔ مگر ہم اب بھی مرزا طاہر احمد صاحب کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر واقعی مومن اور متقی ہیں اور مومن اور متقیوں کے امام ہیں۔ تو ہمت کریں اور حضرت مولانا محمد علیؒ کی کتاب مرۃ الحقیقت بجواب حقیقتہ الامر مصنفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد پڑھیں اپنے مبایعین کو بھی پڑھنے کی اجازت بخشیں۔ پھر ساری حقیقت کھل کر سامنے آ جائیگی۔ ہم ببانگ بلند کہتے ہیں کہ مرزا طاہر احمد صاحب نے تمام باتیں بالکل فرضی ہمارے بزرگوں سے منسوب کی ہیں۔ اگر جماعت کی کثرت انکے ساتھ ہوتی تو پھر کیا مجال تھی کہ انصار اللہ نامی لٹھ باز انتخاب کے وقت ہلڑ بازی کرنے کی جرات کرتے۔ اور تخت خلافت مبارک، تخت خلافت مبارک کے نعرے بلند کرتے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کو اس موقع پر اظہار خیال کرنے سے روک سکتے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا انتخاب ہی اس بات کا پہلا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کو اکثریت کی حمایت حاصل نہ تھی۔ خزانہ انجمن کو قادیان میں خالی چھوڑ آنے کا قصہ بھی من گھڑت ہے۔ صدر انجمن کا دفتر قادیان میں تھا۔ وہاں اسکے کچھ ممبران مستقل طور پر رہائش پذیر تھے۔ اور اکثریت انکی مرزا محمود احمد صاحب کے ساتھ تھی۔ جو خود انجمن کے صدر تھے۔ اب بتایا جائے کہ انجمن کا خزانہ کن ممبران کے قبضہ میں تھا۔ اور آمد و خرچ کے حسابات کا ریکارڈ کہاں محفوظ ہوتا تھا۔ خزانہ خالی چھوڑنے کے صرف دو معنے ہو سکتے ہیں۔

اول یہ کہ آمد و خرچ کا میزان برابر تھا۔ اور بقایا رقم صرف ۶ آنے یا ۱۲ آنے تھی۔ دوم یہ کہ خزانہ کی رقم اٹھا کر لاہور لائی گئی۔ اب پہلی صورت حال تو قابل اعتراض نہیں رہتی۔ کیونکہ جو آمد ہوتی وہ اپنی اپنی مدات میں خرچ ہو گئی۔۔ مگر دوسری صورت میں ہمارے بزرگ مورد الزام ٹھرائے جاسکتے تھے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جب تمام رجسٹرات حساب دفتر صدر انجمن میں موجود تھے تو انکی پڑتال سے بخوبی معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ خزانہ انجمن میں کس قدر رقم موجود ہے۔ اگر واقعی اس میں کوئی خرد برد ہوئی ہوتی تو میاں محمود احمد صاحب ایسے مہربان نہیں تھے کہ شور قیامت برپا نہ کر دیتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک مولانا محمد علی صاحب قادیان میں مستقل رہائش رکھتے اور ترجمۃ القرآن انگریزی کر رہے تھے۔ شیخ رحمت اللہ صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ، مولانا غلام حسن پشاوری، ڈاکٹر سید محمد حسین اور سید حامد شاہ صاحبان لاہور، پشاور اور سیالکوٹ میں رہتے تھے۔ مولانا محمد علی کی زندگی میاں صاحب کے حمایتیوں نے خشت باری اور نعرے بازی سے اجیرن کر دی اور انہیں قادیان بادل نخواستہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ وہ نہایت بے سروسامانی کی حالت میں لاہور پہنچے۔ اور اپنے پرانے رفقاء کے ہاں پناہ لی۔ قادیان میں خاندان بانی سلسلہ احمدیہ تھا۔ مضبوط جماعت تھی۔ دفاتر، عمارات، مساجد، اسکول، لنگر خانہ اور ہر ضرورت کا سامان موجود تھا۔ میاں صاحب کو سب کچھ بنا بنایا مل گیا۔ بیرونی جماعتوں میں انصار اللہ پھیلے ہوتے تھے۔ انکی شب و روز کی دوڑ دھوپ اور میاں صاحب کے مبایعین علماء کے دوروں کے باعث جماعتوں کی بھاری اکثریت تھوڑے ہی عرصہ میں میاں صاحب کی مبایع بن گئی۔ لاہور میں جمع ہونیوالے بزرگ بے سروسامان تھے۔ نہ سر چھپانے کو کھپریل نہ

بیٹھنے کو کرسی۔ نہ کام کرنے کے لیئے مکان۔ نہ جیب میں کوئی پیسہ۔ انہوں نے آغاز صفر سے کیا۔ مگر حیرت ہے کہ مرزا طاہر احمد صاحب کتنی دیدہ دلیری سے دونوں جماعتوں کے آغاز سفر کو یکساں قرار دیتے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ نہ روز اول میں لاہور مرکز کے ساتھ جماعت کثرت میں تھی اور نہ بعد میں کبھی ہوئی۔ جماعت قادیان ابتدا میں ہی بھاری اکثریت میں تھی۔ اور ہمیشہ اکثریت میں رہی۔ مگر دیکھنے والی بات یہ ہے کہ لاہور کی مٹھی بھر جماعت نے حمایت و اشاعت اسلام کے سلسلہ میں جو خدمات اور کارنامے سرانجام دیئے ہیں یہ کثیر التعداد جماعت ابھی تک ان کی گرد کو نہیں پہنچی۔

آج جو لوگ مختلف ممالک میں سکونت پذیر ہیں وہ سب کے سب ۱۹۷۴ء کے بعد پاکستان چھوڑ کر ان ممالک میں سیاسی پناہ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اچھے آسودہ حال ہیں۔ وہاں جماعتیں بنائی ہیں۔ یہ نہیں ہوا کہ امریکہ جا کر امریکنوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہو۔ انگلستان میں انگریز ان کی جماعت میں بکثرت شامل ہو گئے ہیں۔ یا یورپ میں یورپین ان کی خلافت پر ایمان لے آئے ہوں۔ ان کی خدمات سے یورپ اور امریکہ نے کوئی اثر قبول نہیں کیا اور نہ ان میں اتنی صلاحیت ہے کہ وہ وہاں کوئی انقلاب لا سکیں۔ محض لاف و گزاف سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس وقت ساری دنیا میں ایک اخلاقی اور روحانی انقلاب کی اشد ضرورت ہے اور اس ضرورت کو صرف پندرھویں صدی کا عظیم الشان مجدد ہی سرانجام دے سکے گا۔ لوگوں کے ووٹوں سے یا پوپ کی طرز پر منتخب ہونے والا خلیفہ ایسا انقلاب لانے کی ہرگز کوئی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور جو مجدد آئیگا وہ ان عقائد کا موئد ہو گا جو ہماری طرف سے پیش ہوتے رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ عقائد حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے ہیں۔ اور وہ مجدد بھی انہی کے مسلک پر ظہور کریگا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر مرزا طاہر احمد صاحب جماعت کو فرضی قصے سنانے بند کر دیں۔ اور اپنے عقائد پر ہم سے کھل کر بات کریں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ جو چراغ حقیر جان کر وہ بجھانے کی کوشش کر رہے ہیں وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

مرزا طاہر احمد صاحب نے اپنی اس دھواں دار تقریر میں ایکطرف بڑے فخر سے کہا ہے کہ انکی جماعت روز بروز ترقی کر رہی ہے اور پیغامی روز بروز نابود ہوتے جا رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اپنی جماعت کو یہ تلقین بھی کی ہے کہ ان پیغامیوں سے کوئی سرو کار نہ رکھیں۔ اور جو یہ لوگ کہتے ہیں کہنے دیں انہیں کوئی جواب نہ دیں۔ اور اپنے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اب میں بھی ان کو منہ نہیں لگانا چاہتا۔ لیکن ان کے بر عکس ان کے والد گرامی نے جب فروری ۱۹۴۴ء میں مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو فرمایا کہ مصلح موعود کے آنے کی غرض جماعت احمدیہ (غیر مبائعین۔ ناقل) کو مٹانا ہے۔ انکی تقریر الفضل مورخہ ۲۵ اپریل ۱۹۹۴ء میں چھپی۔ مندرجہ ذیل اقتباس اسی تقریر کا حصہ ہے:-

"مظہر الحق کے متعلق تو میں سمجھتا ہوں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقائد اور آپکی تعلیمات کو بعض بگاڑ کر پیش کرینگے۔ وہ بعض غلط عقائد آپکی طرف منسوب کریں گے اور آپ کے درجہ کو کم کرنیکی کوشش کریں گے۔ اس صورت میں وہ (مصلح موعود۔ ناقل) ان کا مقابلہ کرے گا اور عقائد حقہ کو جماعت میں قائم کر دے گا۔۔۔ اور مظہر العلی میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عقائد حقہ اس کے ذریعہ قلوب میں راسخ کر دیے جائیں گے اور باوجود اس کے کہ بظاہر ان کا قائم اور راسخ ہونا بہت مشکل دکھائی دے گا اللہ تعالیٰ اسے کامیابی عطا فرمائے گا"۔

اس تقریر سے قبل مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۱۸ فروری ۱۹۴۴ء کے خطبہ جمعہ میں جو لاہور میں دیا گیا۔ یہ ارشاد کیا:-

"دشمن ہمیشہ مجھ پر الزام لگاتا ہے کہ میں نے ایک ایک کر کے حضرت مسیح موعود کی تعلیم نعوذ باللہ بگاڑ دیا ہے اور میں اپنے دل میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا نے ایک ایک کر کے مجھے سچائیوں کے قائم کرنے کا موقعہ دیا ہے۔ ایک منٹ کے لیئے بھی میں شبہ نہیں کر سکتا کہ مجھ سے ان معاملات میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ بلکہ خواہ مجھے ایک کروڑ زندگیاں بھی دی جائیں اور ایک کروڑ دفعہ مر کر پھر اس دنیا میں واپس آؤں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ میں پھر بھی اسی طرح ان صداقتوں کی تائید کروں گا جس طرح گزشتہ زندگی میں کرتا رہا ہوں۔ میرے لیئے سب سے بڑا فخر یہی ہے کہ حضرت

مسیح موعود کی وہ تعلیمیں جنہیں بعض لوگ مٹانے کی فکر میں تھے جنہیں بعض لوگ دبانے کی فکر میں تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں میرے ذریعہ سے دنیا میں پھیلایا اور حضرت مسیح موعود کی تعلیم کو ایسے طور پر قائم کر دیا کہ ان مسائل کے متعلق دشمن اب کسی طرح حملہ نہیں کر سکتا۔ تیس سال ہوئے جب سے یہ جنگ شروع ہوتی ہے بلکہ تیس سال تو میری خلافت کے ہی ہیں۔ اگر حضرت خلیفہ اول کے زمانہ کو شامل کر لیا جائے تو پینتیس چھتیس سال گذر چکے ہیں اس عرصہ دراز میں کس طرح مڑ مڑ کر دشمن نے حملہ کیا مگر پھر کس طرح خدا نے اس کو ناکام و نامراد کیا اور حضرت مسیح موعود کا درجہ قائم ہی رہا" (الفضل، ۲۱ جون ۱۹۴۴ء)

قارئین حضرات ملاحظہ فرمالیں کہ مصلح موعود کو کھڑا کرنے کی غرض صرف یہ بیان کی گئی ہے کہ پیغامیوں کے فتنہ کا کماحقہ استیصال کیا جائے اور حضرت مسیح موعودؑ کے اصل عقائد اور ان کے درجہ کو قائم رکھا جائے۔ گویا بالفاظ دیگر خدا تعالیٰ نے جو مشن حضرت مسیح موعود کے سپرد یکسر الصلیب ویقتل الخنزیر کا کیا تھا وہ زیب طاق نسیاں ہو گیا۔ اب اصل فتنہ پیغامیوں کا پیدا کردہ ہے اس کو مٹانا مصلح موعود کا مشن ہے۔ اور پیغامیوں کا وہ فتنہ کیا ہے۔ جس کا استیصال بقول خلیفہ ثانی منصوبہ الٰہی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ پیغامی یہ دعوے کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں خاتم النبیین قرار دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی تشریح لا نبی بعدی سے کی ہے۔ اور باب نبوت تا قیامت بند ہونے کے باعث خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت دی کہ اصلاح امت کیلئے ہر صدی کے سر پر مجدد مبعوث ہوتے رہیں گے اس لیئے تا قیامت اب کوئی نبی دنیا میں نہیں آ سکتا نہ نیا نہ پرانا۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نبوت کا نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ تھا جو خدا تعالیٰ کے حکم سے کیا گیا تھا۔ دوسرا دعویٰ ان کا یہ ہے کہ کوئی کلمہ گو حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کے انکار سے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ سورہ صف کی آیت نمبر ۷ میں اسمہ احمد کی پیشگوئی کے اصل مصداق حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نہ کہ حضرت مسیح موعودؑ۔ اسمہ احمد پر تو خلیفہ صاحب اور انکے حواری علماء کا چند برسوں میں ہی منہ بند ہو گیا۔ اور پیغامیوں کے مقابلے میں ساکت وصامت ہو گئے۔ لیکن جب ۱۹۵۳ء۔ اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن ہوئی اور حکومت نے فسادات کے اصل اسباب کی تحقیقات کے لیئے جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی پر مشتمل ایک تحقیقاتی عدالت قائم کر دی تو "مصلح موعود" صاحب نے وہاں اپنے تمام ہتھیار ڈال دیے اور عملاً اپنے ان عقائد باطلہ سے دست بردار ہو گئے جو اینٹی احمدیہ ایجی ٹیشن کا اصل باعث تھے۔ یہ شخص جو ایک کروڑ دفعہ مر کر ایک کروڑ دفعہ زندہ ہو کر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ "میں یقین رکھتا ہوں کہ میں پھر بھی اسی طرح ان صداقتوں کی تائید کروں گا جس طرح گذشتہ زندگی میں کرتا رہا ہوں" وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی مزعومہ صداقتوں کی تائید سے کنارہ کش ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب نے بارہا چیلنج کیا کہ اگر اپنے موقف میں سچے ہیں تو میرے مقابلے میں حلف اٹھائیں۔ ہم ستر افراد نے اپنی حلف ۱۹۱۵ء میں شائع کر دی تھی آپ لاکھوں کی جمیعت اپنے مبالعین کے بتاتے ہیں اس لیئے ہمارے مقابلے میں سات ہزار آدمیوں کی حلفیہ شہادت پیش کریں چلیں سات ہزار کی نہیں تو ستر افراد کی پیش کریں۔ اور اگر وہ بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں تو خود اپنا ہی حلفیہ شہادت پیش کر دیں۔ مگر یہ "مظہر الحق" اور "مظہر العلٰے" ایک دفعہ بھی مرد میداں نہ بنے۔ اور مقابلہ میں نکلنے کی جرات نہ کی۔

پھر بات یہاں ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ ہمارے اس مرد حق نے عقائد پر گفتگو کے سلسلہ میں جماعت ربوہ کے ہر چھوٹے بڑے شخص کو بشمول چوہدری ظفر اللہ خان صاحب ثالثی کی دعوت دی۔ پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ میں مرزا طاہر احمد صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے والد صاحب مصلح موعود "تو پیغامیوں کی سرکوبی کیلئے کھڑا ہونے کے دعویٰ دار تھے" ۔ کیا وہ مقصد مرزا ناصر احمد صاحب اور آپ نے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ اور کیا آپ کے مقابلہ کی اب پیغامیوں میں تاب نہیں رہی۔ آپکی اس تقریر سے تو صاف عیاں ہوتا ہے کہ آپ ان کے دلائل کے آگے عاجز آ چکے ہیں اور ان کا مقابلہ عقائد کی بحث میں نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان سے خود بھی کنارہ کش ہو گئے ہیں اور جماعت کو بھی کنارہ کش رہنے کی ہدایت جاری کر دی ہے۔